تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

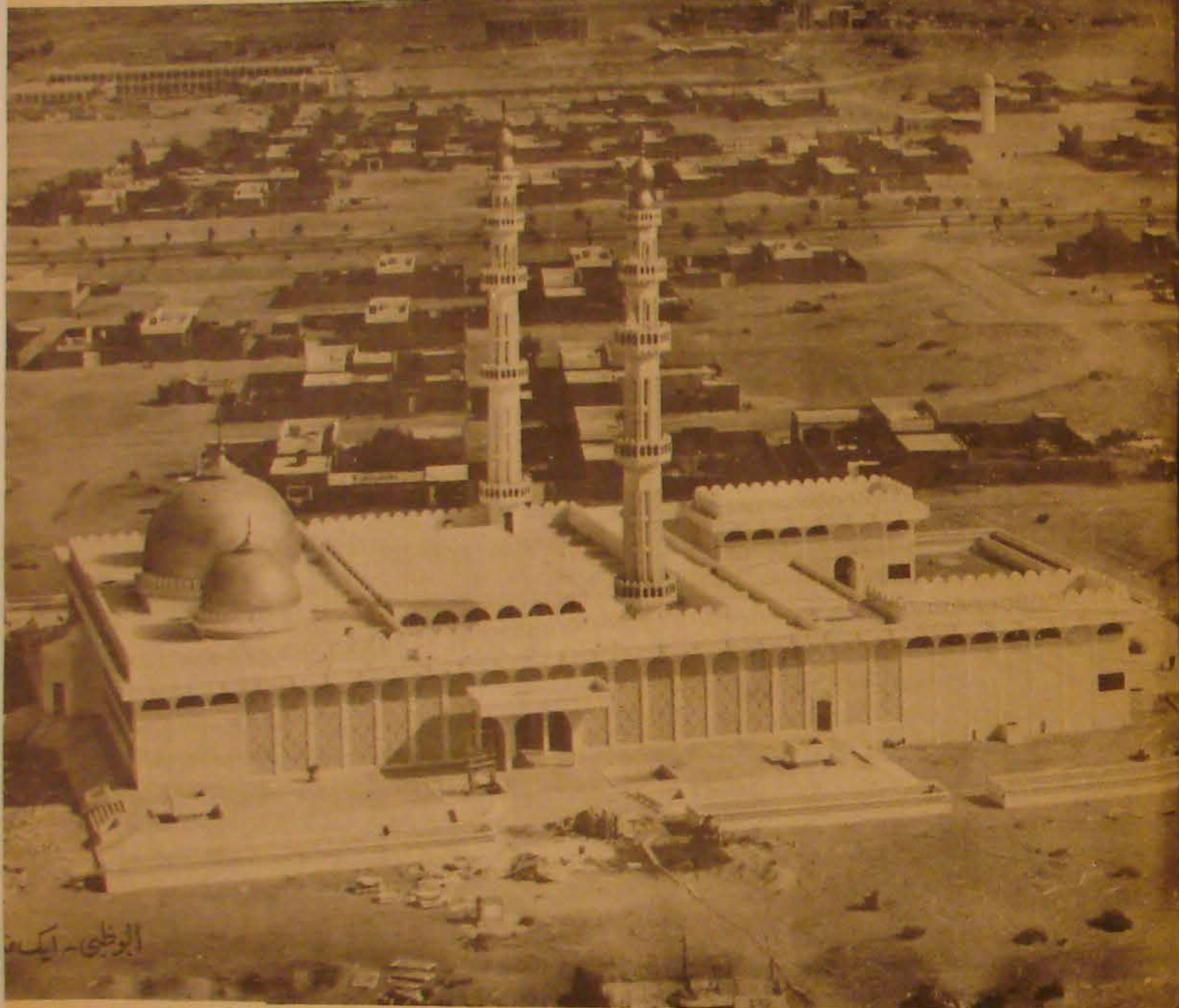

ابوظبی - ایک م

اشاعت خاص

قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے

بادشاہی مسجد لاہور

TAMEER-E-HAYAT

Fortnightly

(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)

SARFRAZ

کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔ آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی میں شریک تھے ان کو یاد ہوگا کہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے غیر ملکی معزز عرب مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:۔

"یہ سونے کی چڑیاں سب اڑ جائیں گی ہم اور آپ یہاں رہیں گے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائیں گے آپ کے چار آنے آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں۔ یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دیا ہے اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہوگی۔"

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں سے زیادہ وہ مقصد عزیز ہے جس کے لئے یہ دارالعلوم قائم کیا گیا ہے، یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی موثر اور صحیح ترجمانی دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، مسئلہ کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد ہمیں اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں، ہم اللہ کا نام لے کر ان میں سے متعدد اہم کام جن میں سر فہرست "دارالتحفیظ القرآن الکریم" اور ایک عظیم الشان لائبریری کا قیام ہے (جہاں انشاء اللہ مطالعہ، بحث و تحقیق اور علمی استفادہ کا اعلیٰ انتظام ہوگا) آغاز کر رہے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل و عریض ملک کے کسی علاقے کے ہوں ہماری مکرر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا ہی کام سمجھیں۔ ہمیں یقین اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ انشاء اللہ مولانا مدظلہ کی بیش قیمت و بابرکت رہنمائی و نظامت میں اگر احباب و مخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام نہ صرف ملک کے گوشہ گوشہ بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہونچے گا۔

وما ذلك على الله بعزيز

(مولانا) عبدالسلام قدوائی ندوی
معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء

(مولانا) معین اللہ ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء

(مولانا) محب اللہ لاری ندوی
مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء

(جناب) مصباح الدین نقوی
معتمد مال ندوۃ العلماء

ضروری اعلان!

"تعمیر حیات" کا رجسٹر نیا کیا جا رہا ہے، اب تمام خریداروں کے نمبر بدل جائیں گے۔ براہ کرم چٹ پر چھپا ہوا نیا نمبر نوٹ فرمالیں۔

(منیجر)

کتب خانہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا کتب خانہ ہندوستان کے گنے چنے کتب خانوں میں سے ایک معروف و مشہور کتب خانہ سمجھا جاتا ہے، جہاں علوم سے دلچسپی رکھنے والے بیرونی ممالک سے بھی لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ یہ کتب خانہ دارالعلوم کے وسیع و عریض ہال میں عرصہ سے قائم ہے اس کے لئے علیحدہ عمارت کی ضرورت کا عرصہ سے احساس ہوتا رہا ہے اس کا نقشہ بن گیا ہے اور اب اس عمارت کی تعمیر کا آغاز ہونا ہے۔ الحمد للہ اس مد کی کچھ رقم محفوظ ہے لیکن مزید کی اس میں ضرورت ہے۔

دارالتحفیظ القرآن الکریم

دارالعلوم ندوۃ العلماء نے جب دارالعلوم میں شعبہ حفظ کا افتتاح کیا تھا اسی وقت سے یہ ارادہ بھی کر لیا تھا کہ اس شعبہ کے لئے علیحدہ عمارت ہوگی جس میں تعلیم کے ساتھ رہائش کا بھی نظم ہوگا۔ اس عمارت کا بھی نقشہ منظور ہو گیا ہے اسکی تعمیر کا بھی آغاز ہونا ہے۔

پریس اور دفاتر کی عمارت

پریس اور مختلف دفاتر کے لئے علیحدہ ایک عمارت بھی عرصہ سے زیر تجویز رہی ہے تاکہ دارالعلوم کی عمارت صرف تعلیمی اغراض ہی میں استعمال ہو، سارے درجات اسی میں رہیں جگہ کی تنگی کی وجہ سے جو انتشار کبھی کبھی ہو جاتا ہے وہ ختم ہو جائے چنانچہ اس عمارت کا بھی نقشہ منظور ہو گیا ہے اور اس عمارت کی تعمیر بھی ہونا ہے۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام

تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۱۵ | ۱۰، ۲۵ اگست و ۱۰ ستمبر ۱۹۷۸ء — ۵، ۲۰ رمضان المبارک و ۶ شوال ۱۳۹۸ھ | شمارہ ۱۹، ۲۰، ۲۱

زر اشتراک اندرون ہند مع محصول ڈاک:
سالانہ: ۱۲ روپے۔ ششماہی: سات روپے
فی پرچہ: ۶۰ پیسے
بیرون ہند مع محصول ڈاک:
بحری ڈاک سے: ایک پاؤنڈ ۶ شلنگ
ہوائی ڈاک سے: امریکہ، کناڈا اور یورپین ممالک: ۳ پونڈ
افریقہ، مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید کے ممالک ۲ پونڈ
پاکستان: ۳۰ روپے — بنگلہ دیش: ۱۵ روپے

اسحٰق جلیس ندوی

عید — انعام، پیام

ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کا آغاز، اس ماہ مبارک کی رخصت و وداع کی علامت ہوتا ہے، رحمت اور مغفرت کے دو عشروں کے بعد عتق من النار — یہ چند دن نہایت قیمتی، لیکن ان کی قدر و قیمت کا اصل احساس تو خاصان خدا اور ان سعید روحوں کو ہوتا ہے جنہیں مالک حقیقی کی معرفت و محبت حاصل ہے، اور وہی اس کا حق ادا کرتے ہیں، عام مسلمان بقدر استعداد و توفیق اس عشرہ کے دنوں کو روزہ اور تلاوت اور راتوں کو تراویح، نوافل اور دعاؤں سے آباد رکھتے ہیں، اسی عشرے میں وہ مبارک شب بھی ہے جس کے بارے میں کہا گیا خیرٌ من الف شہر، ہزار مہینوں سے بہتر۔ ماہ مبارک اپنے اختتام کے آخری لمحہ میں اس یوم مسرت کا پیام دے گا جسے ہم عید الفطر کہتے ہیں۔ ؎

غرۂ شوال! اے نورِ نگاہِ روزہ دار
آ! کہ تجھ تیرے لئے مسلم سراپا انتظار
تیری پیشانی پہ تحریر پیام عید ہے
شام تیری کیا ہے، صبح عیش کی تمہید ہے

ماہ مبارک کی آخری شام صبح عیش کی تمہید بن کر آتی ہے، عید الفطر گویا انعام ہے، ان فرزندان توحید کا جنہوں نے پورے ماہ مبارک کو، اس طرح گذارا جیسا کہ اس کا حق تھا، روزہ، نماز، تراویح، نوافل، زکوٰۃ و صدقات، غربا پروری اور غمگساری، دعا و مناجات، تلاوت و تضرع اور اللہ تعالیٰ کے قرب کو پانے کی ہر ممکن کوشش کی — عید انعام ہے انہی لوگوں کے لئے، عید کی شب کو لیلۃ الجائزہ (انعام کی رات) کہا گیا، عید گویا یوم الجائزہ (انعام کا دن)۔

خداوند قدوس دنیا کے کروڑوں فرزندان توحید کو اس روز و شب کے انعامات سے نوازے۔

عید کا پیام بھی وسیع، ہمہ گیر اور عالم گیر ہے، عید کی آمد سے قبل کا پورا مہینہ ضبط نفس، تربیت باطن اور اصلاح حال کا مہینہ تھا، خدا فراموشی، غفلت، خواہشات کی غلامی سے نجات کا مہینہ تھا، اخوت و یکسانیت، مساوات و مروّت کے عمل اور مشق کا مہینہ تھا، عید کا پیام یہی ہے، نہ صرف فرزندان توحید کے نام بلکہ پوری انسانی برادری کے نام کہ اے انسانو! جسم و جان کی لذت، مادّہ اور معدہ کی پرستش سے کچھ بلند ہو کر، روحانی بالیدگی پیدا کر کے، حیات مستعار کے یہ چند لمحات گذارو، دیکھو اس میں کس قدر سکون ہے، کیسی راحت ہے، کیسی روحانی مسرت ہے — روح مریض ہے، آتما کو شانتی کیسے مل سکتی ہے؟ دل خواہشات و لذات کا غلام ہے۔ چین کیسے پا سکتا ہے۔ گھٹن کیسے دور ہوگی؟ ؏

دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم

عید کا پیام اخوت تمام عالم اسلام اور تمام دنیائے انسانیت کے نام ہے، خدا کرے یہ عید پورے عالم کو حقیقی مسرت سے ہمکنار کرے۔

”ہر ایک اپنے مسیحا کے خوں کا رنگ لئے“

فیض احمد فیض ہندوستان آئے، اس ملک کے اردو دوستوں نے ان کا زبردست استقبال کیا، لکھنؤ اس میں پیش پیش رہا، لکھنؤ کو اس استقبال کا صلہ فیض صاحب نے یہ دیا کہ استقبالیہ جلسے میں جس میں ریاستی وزیر اعظم زیش یادو موجود تھے، انہوں نے کہا کہ، اردو سرکار اور دربار کی زبان کبھی نہیں رہی پھر بھی زندہ رہی — وہ لوگ جو اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کے لیے رات دن کوشاں ہیں جو جذبات سے بلند ہو کر یہ سوچتے ہیں کہ جب تک کسی زبان کا رشتہ معاش سے جڑا نہ ہوگا وہ اپنی عمومیت اور افادیت برقرار نہ رکھ سکے گی۔ ان کا مقدمہ فیض صاحب نے خاصا کمزور کر دیا۔

دہلی کی اردو تنظیمیں زیادہ باحمیت یا فیض اور ان کی ترقی پسند برادری کے نقطۂ نظر سے زودرنج ثابت ہوئیں کہ انہوں نے صاف اعلان کیا کہ وہ فیض کا بائیکاٹ کریں گی، کیونکہ انہوں نے پاکستان میں اردو مخالف مظاہروں کی قیادت کی تھی۔ لکھنؤ کے فیض نوازوں کو شاید یہ علم نہیں کہ فیض نے پنجاب میں پنجابی زبان اور سندھ میں سندھی زبان کے فروغ و اشاعت اور اردو مخالف مظاہروں کی قیادت کی تھی — فیض کے مسلک اور اردو زبان کے سلسلے میں نقطۂ نظر پر اس انٹرویو سے خاصی روشنی پڑتی ہے جو مشہور صحافی وشوا ناتھ طاؤس نے ان سے چندی گڑھ میں لیا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں فیض کہتے ہیں — ”جہاں تک اردو پڑھنے اور لکھنے کا تعلق ہے وہ تو ٹھیک ہے، لیکن ہم اردو کیوں بولیں جبکہ یہ ہماری مادری زبان نہیں ہے، اردو بولو تحریک غلط تھی“۔

اردو رسم الخط کے سلسلے میں فیض کہتے ہیں:-

”کمال اتاترک نے ترکی زبان کا رسم الخط عربی کی بجائے رومن کر دیا، اس سے ترکی زبان کی شان و عظمت میں کوئی فرق نہیں آیا، رومن رسم الخط میں بہترین ترکی ادب تخلیق ہو رہا ہے، اسی طرح روس کی ایشیائی جمہوریتوں، تاجکستان، ازبکستان وغیرہ میں فارسی زبان روسی رسم الخط میں پروان چڑھ رہی ہے، اسی طرح اردو کو ایک خاص رسم الخط کے ساتھ باندھ دینا ضروری نہیں“۔

فیض صاحب کی عزت، شہرت، روٹی سب کچھ اردو سے وابستہ ہے لیکن وہ اردو بولنے کو غلط قرار دیں، رسم الخط کی تبدیلی کی حمایت۔ اور اسے اپنی مادری زبان قرار دینے سے انکار کریں، اور سرکاری زبان بنانے کو غیر ضروری قرار دیں تو اسے محسن کشی سے تعبیر کرنا کیا غلط ہوگا۔ اسے کیا کا قاتل اور کسے کہیں گے؟

ایک قابل رشک رحلت

مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء کے ایک بزرگ فرزند مولانا عبد الحمید صاحب ندوی نے ۸۰ سال کی عمر میں یوم جمعہ ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ داعی اجل کو لبیک کہا۔

مولانا مرحوم نے فراغت تعلیم کے بعد جنوبی ہند کے مشہور مقام بھٹکل میں عرصہ تک تعلیمی اور تدریسی خدمات انجام دیں، جامعہ اسلامیہ بھٹکل کی بنیاد انہی کی ڈالی ہوئی ہے، اور اس شہر کی پوری نسل مولانا مرحوم کی شاگرد ہے۔

انتقال قلبی دورہ پڑنے سے اچانک ہوا، صبح دس بجے بردوئی سے حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کی خدمت میں حاضری کے بعد دار العلوم تشریف لائے ارادہ یہ تھا کہ اب حضرت مولانا علی میاں سے ملنے رائے بریلی جائیں گے اور کچھ دن قیام بھی فرمائیں گے۔

سوا دس بجے سینے میں تکلیف اور بے چینی محسوس ہوئی۔ فوری طور پر اسپتال لے جایا گیا لیکن ”کچھ نہ دوا نے کام کیا“ ۱۲ بجے انتقال فرمایا۔ نماز عصر سے قبل دار العلوم میں نماز جنازہ ہوئی اور اپنے آبائی وطن ضلع بارہ بنکی کے ایک موضع میں میت بذریعہ بس لے جائی گئی۔ اساتذہ اور طلبہ کی بڑی تعداد نے گاؤں تک جنازہ کی مشایعت کی۔ اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجات نصیب فرمائے۔

ایک تردید: مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا لاہور کے روزنامہ نوائے وقت کی ۵ جولائی کی اشاعت میں ایک بیان شائع ہوا ہے جس میں موصوف نے کہا ہے کہ میرے سفر پاکستان کے موقع پر بعض انٹرویو اور بیانات میں میری طرف ایسی باتیں منسوب کی گئیں جو صحیح نہیں ہیں، صحافت کو کسی بھی سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے کوئی بات شائع کرنے میں احتیاط کرنی چاہیئے۔

تعلیم القرآن

از: مولانا محمد اویس ندوی مرحوم

غم منانے کا ادب:

وَاِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (بقرہ، ۱۹)

اور جب ان کو کوئی مصیبت پیش آئے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔

آدمی پر کوئی مصیبت آئے، کسی کا انتقال ہو جائے تو صبر سے کام لینا چاہیئے، خدا سے دعا کرنا چاہیئے، رنج کی وجہ سے آنسو نکل آئیں تو کچھ حرج نہیں ہے، مگر چیخ چیخ کر رونا، کپڑے پھاڑنا اور اسی قسم کی دوسری باتیں دین کے خلاف ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص گریبان پھاڑتا ہے، اور گالوں پر طمانچے مارتا، اور جاہلیت کی طرح چیختا اور چلاتا ہے، وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔

حضرت جعفرؓ سے رسول اللہؐ کو بڑی محبت تھی، ان کی شہادت کی خبر آئی تو ان کی عورتوں نے نوحہ کرنا شروع کر دیا، آپ نے منع کرا بھیجا، وہ باز نہ آئیں، دوبارہ روکا پھر نہ مانیں، تو آپ نے فرمایا کہ ان کے منہ میں خاک۔

جب کسی مسلمان کے گھر میں کوئی موت ہو تو مناسب ہے کہ عزیز دوست، یا محلہ کے لوگ اس کے یہاں کھانا بھیجیں، حضرت جعفرؓ کی شہادت کے موقع پر رسول اللہؐ نے ان کے گھر کھانا بھجوایا تھا، اور فرمایا تھا کہ ان کے گھر لوگوں کو آج کھانا پکانے کا موقع نہ ملے گا۔

سچائی: وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ اور سچوں کے ساتھ رہو۔

سچائی سے دل کو چین ملتا ہے۔ چاہیئے کہ سکھ دکھ، ہر حالت میں سچ بات کہی جائے اور سچا کام کرنا چاہیئے، کسی نے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جنت والوں کی نشانی کیا ہے؟ آپؐ نے کہا سچ بولنا — سچائی نیکی کا راستہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، جو آدمی سچ بولتا ہے وہ اللہ کے یہاں صدیق لکھا جاتا ہے! ظالم بادشاہ کے سامنے سچی بات کہنا سب سے اچھا جہاد ہے! سچ بولنے میں عزیز، قریب، دوست، دشمن، کسی کا خیال نہ کرنا چاہیئے! حضرت قدامہؓ بن مظعون صحابی نے ایک مرتبہ شراب پی لی۔ حضرت عمرؓ نے شرعی سزا دینی چاہی تو حضرت قدامہؓ کی بیوی نے اس سچے واقعہ کی شہادت دی، بیوی نے سچائی کے مقابلہ میں شوہر کی کچھ پرواہ نہیں کی۔

دنیا کے تھوڑے سے فائدہ کے لئے سچائی کو چھوڑنا، اور اللہ کی خفگی مول لینا، عقل والوں کا کام نہیں ہے۔

سخاوت: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ۔ (بقرہ - ۳۴)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اس میں سے کچھ خرچ کرو جو ہم نے تم کو دیا ہے۔!

خدا نے اپنے بندہ کو جو کچھ اپنی نعمت میں سے دیا ہے، اس کو اس میں سے اس شخص کو دینا چاہیئے جس کو یہ نعمت نہیں ملی، یا ضرورت سے کم ملی، اسی کو سخاوت اور فیاضی کہتے ہیں!

سخاوت کی بہت قسمیں ہیں، جیسے اپنا حق کسی کو معاف کر دینا، اپنا بچا ہوا مال کسی دوسرے کو دے دینا، اپنی ضرورت کا خیال کئے بغیر کسی دوسرے کو دینا، اپنی ضرورت کو روک کر کسی دوسرے کو دینا، دوسرے کے لئے اپنے جسم کی قوت صرف کرنا، اپنے دماغ کی قوت صرف کرنا، اپنی آبرو کو خطرہ میں ڈالنا، اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دینا، دوسروں کو بچانے کے لئے یا حق کی حمایت میں اپنی جان دے دینا۔ اس کے سوا اور بھی بہت صورتیں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”باندھو نہیں ورنہ تم پر باندھا جائے گا“ یعنی اگر تم تھیلی کا منہ بند کر دو گے اور دوسروں کو نہ دو گے تو خدا بھی اپنی تھیلی کا منہ تم پر بند کرے گا اور تم کو نہیں دے گا — فرمایا رشک دو ہی ٹھیک ہے، ایک اس پر جس کو اللہ نے دولت دی ہے تو وہ اپنے ہاتھوں سے اس کو ٹھیک جگہ لٹا رہا ہے، دوسرے اس پر جس کو اللہ نے علم دیا ہے تو وہ اس کے مطابق بتا رہا ہے اور سکھا رہا ہے۔!!

محسنِ انسانیتؐ نے فرمایا

رویت ہلال کی تحقیق اور شاہد کی شہادت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ جب تک رویت ہلال کا ثبوت نہ ہو جائے یا کوئی عینی گواہ نہ مل جائے آپ روزے شروع نہ کرتے جیسا کہ آپ نے ابن عمرؓ کی شہادت قبول کر کے روزہ رکھا۔ (زاد المعاد)

اور آپ بادل کے دن کا روزہ نہیں رکھتے تھے نہ آپ نے اس کا حکم دیا بلکہ فرمایا جب بادل ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کئے جائیں۔ (زاد المعاد)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑ دو، اور اگر (۲۹ تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کی تیس کی گنتی پوری کرو۔ (صحیح بخاری و مسلم۔ معارف الحدیث)

سحری: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ سحری میں برکت ہے اسے ہرگز نہ چھوڑو اگر کچھ نہیں تو اس وقت پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لیا جائے کیونکہ سحر میں کھانے پینے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔ (مسند احمد۔ معارف الحدیث)

افطار: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے بندوں میں مجھے وہ بندہ زیادہ محبوب ہے جو روزہ کے افطار میں جلدی کرے (یعنی غروب آفتاب کے بعد بالکل دیر نہ کرے)۔ (معارف الحدیث۔ جامع ترمذی)

حضرت سلمان بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے افطار کرے اور اگر کھجور نہ پائے تو پھر پانی ہی سے افطار کرے اس لئے کہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے طہور بنایا ہے۔ (مسند احمد۔ ابی داؤد۔ جامع ترمذی۔ ابن ماجہ۔ معارف الحدیث)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے اور اگر تر کھجوریں بروقت موجود نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے۔ (جامع ترمذی، معارف الحدیث)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے۔ ذَهَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ (سنن ابی داؤد۔ معارف الحدیث)

معاذ بن زہرہ تابعی سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔ (سنن ابی داؤد۔ معارف الحدیث)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روزے دار کی ایک بھی دعا افطار کے وقت مسترد نہیں ہوتی۔ (ابن ماجہ، معارف الحدیث)

تراویح: اکثر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ تراویح کے مسنون ہونے پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے یعنی امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ان سب حضرات کی فقہ کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے کہ تراویح کی ۲۰ رکعت سنت موکدہ ہیں۔

قرآن مجید کا سننا: رمضان شریف میں قرآن مجید کا ایک مرتبہ ترتیب وار تراویح میں پڑھنا سنت موکدہ ہے اگر کسی عذر سے اس کا اندیشہ ہو کہ مقتدی تحمل نہ کر سکیں گے تو پھر الم ترکیف سے اخیر تک دس سورتیں پڑھ دی جائیں ہر رکعت میں ایک سورت ہو۔ پھر دس رکعت پوری ہونے پر پھر انہیں سورتوں کو دوبارہ پڑھ دے یا اور جو سورتیں چاہے پڑھے۔

(بہشتی گوہر)

پاکستان میں اسلامی قوانین کی تدوین تاریخ میں بڑا کارنامہ ہوگا

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے عالم اسلام کے اجتماعی، معاشرتی اور انتہائی فکر انگیز مسائل پر بات چیت

ملاقات: اقبال احمد صدیقی نمائندہ ہفت روزہ "اخبار جہاں" کراچی (پاکستان)

رابطۂ عالم اسلامی اور پاکستان کی وزارت امور مذہبی کے اشتراک و تعاون سے کراچی میں ۶، ۷، ۸ جولائی ۱۹۷۸ء کو ایشیائی اسلامی کانفرنس کے اجلاس منعقد ہوئے ان میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم اعلیٰ اور دنیائے اسلام کے عظیم مفکر، متعدد بلند پایہ کتابوں کے مصنف اور عصر جدید کے شہرہ آفاق مقرر و محقق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے بھی شرکت کی۔ بھارت سے مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا اسحٰق جلیس ندوی (مدیر پندرہ روزہ "تعمیر حیات" لکھنؤ) اور دوسرے علماء براہ راست تشریف لائے، جبکہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اس موقع پر سعودی عرب میں قیام فرما تھے انہوں نے کانفرنس میں شرکت کے لئے رابطے کے ذریعہ پاکستان کا ویزا حاصل کیا۔ ۷ جولائی کی علی الصبح تک (جب انہیں اسلام آباد کے لئے کراچی ایرپورٹ روانہ ہونا تھا) مسجد نیو ٹاؤن میں جناب قاری رشید الحسن صاحب خطیب مسجد کی رہائش گاہ پر مولانا مقیم رہے۔

متعدد جلسوں و تقریبات میں ان کی خیال انگیز تقریریں سننے کا موقع ملا لیکن کئی بار ان کی خدمت میں قیام گاہ پر شرف باریابی حاصل ہوا ہر مرتبہ مولانا کی شستہ اور شگفتہ گفتگو کے کچھ ایسے حصے سنے اور ان کا ذاتی اخلاص و انداز دیکھنے کا موقع ملا کہ ہر بات دل پر نقش ہوجانے والی اور دماغ پر چھا جانے والی تھی۔ کوئی بات تحقیق، تجزیۂ تاریخ، مشاہدۂ زندگی اور اسلام کی سربلندی کے لئے بے پناہ دردمندانہ جذبات سے خالی نہ تھی۔ ان مختصر ملاقاتوں کو جن کا سبب مولانا کی بے پناہ مصروفیت تھی ناکافی سمجھتے ہوئے راقم الحروف نے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے مخلصانہ التماس کی کہ "اخبار جہاں" کے لئے جو پاکستان کا ایک ممتاز اور نہایت باثر جریدہ ہے اپنا ایک انٹرویو قلمبند کرائیں۔ اور عدیم الفرصتی کے باوجود بعض اہم سوالات کے جوابات دینے کے لیے کچھ قیمتی وقت نکال لیں۔ چنانچہ مولانا نے بکمال مہربانی و شفقت وعدہ فرمایا کہ انشاء اللہ جمعہ کے دن غسل کے بعد اور نمازیوں سے خطاب سے قبل مطلوبہ انٹرویو دیا جائے گا۔ اور واقعی اس مقررہ وقت پر مولانا نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اگرچہ کمرۂ ملاقات میں تشریف لانے سے قبل ہی ممتاز علماء، معززین شہر اور صحافیوں کی بڑی تعداد جمع ہو چکی تھی۔

مولانا غسل کے بعد کمرے میں تشریف لائے تو زیر لب تلاوت کا سلسلہ جاری تھا۔ حاضرین گرم جوشی سے مولانا کے خیر مقدم کے لئے آگے بڑھے لیکن مولانا کو تلاوت میں مشغول پاکر خاموشی سے بیٹھ گئے۔ مولانا بھی فرش پر بیٹھ کر مسلسل پڑھتے رہے۔ مولانا نے ورد مکمل کرنے کے بعد فرمایا کہ اپنی والدہ ماجدہ کی ہدایت کے مطابق وہ عالم نوجوانی ہی سے ہر جمعہ کو غسل کے بعد سورہ کہف کی تلاوت فرماتے ہیں جو قرب قیامت کے دجالی فتنوں سے بچانے کے لئے نہایت مفید وظیفہ ہے۔

بہرحال مجھے وہ قیمتی لمحات میسر آہی گئے، جب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جیسی مایہ ناز علمی شخصیت سے بالمشافہ گفتگو کرنے اور مختلف سوالات کے جواب حاصل کرنے کی سعادت حاصل ہوگئی۔ اس روداد کو سوال و جواب کی صورت میں ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

سوال: مولانا آپ نے قیام پاکستان کے دوران جن جلسوں میں تقریریں کی ہیں یا جن میں شرکت کی ہے۔ رابطہ کانفرنس کی کارروائی نظر سے گذری ہے۔ اس کے اجلاس میں آپ کی معرکہ آرا تقریر سنی ہے۔ آپ نے اور دوسرے مندوبین کانفرنس نے پاکستان کو اسلام کا قلعہ کہا ہے اور پاکستان پر ہی نظام اسلامی کے مکمل نفاذ کے لیے موثر اور بنیادی کردار ادا کرنے کے لیے زور دیا ہے جب کہ دنیا میں اور بھی بہت سے ممالک موجود ہیں۔ اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟

جواب: جی ہاں! دنیا میں مسلم ممالک پہلے بھی موجود تھے آج بھی ہیں۔ انہیں جغرافیائی اور تاریخی حوالے سے ... کی طرح آئندہ بھی پہچانا جائے گا۔ لیکن پاکستان کی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام کے نام پر ہی وجود میں آیا ہے۔ اور یہاں نہ صرف وعدے کے مطابق بلکہ ... اسلامی نظام حیات رائج ہونا ہے بلکہ دوسرے مسلم ممالک کے لئے ایک مثال ایک نمونہ بننا ہے۔ میں اپنے اس وسیع تجربے اور مشاہدے کی بنا پر جو مجھے یورپ امریکہ، افریقہ، دنیائے عرب اور ایشیائی ممالک کے طویل سلسلۂ سفر میں حاصل ہوا ہے پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ سلطنت عثمانیہ کے انحطاط کے بعد یہ مواقع پاکستان ہی کو حاصل ہوئے ہیں کہ تاریخ کے اس نازک ترین لمحہ میں منجدھار میں ڈگمگاتے ہوئے سفینۂ ملی کو ساحل مراد تک پہونچائے اور مساوات انسانی کا نمونہ پیش کرے۔

سوال: عام طور پر لوگ کہہ دیتے ہیں کہ تقدیر میں یہی لکھا تھا۔ یہ تقدیر کا مسئلہ کیا ہے؟

جواب: یہ بڑا دقیق مسئلہ ہے اللہ تعالیٰ علم غیب کی بنا پر جانتا ہے کہ کون کیا کرے گا۔ اور اس کے بعد کیا ہوگا۔ انسان بے خبر ہے اس لیے اُسے ہر اچھی تدبیر کرنے کا موقع حاصل ہے اور بہتر راستے پر چل کر کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ جب کہ ظلم اور ضلالت کرنے والا اپنے انجام کو پہونچتا ہے چونکہ اس نے راستہ ہی تباہی کا اختیار کیا۔

سوال: آپ نے تقدیر بدل جانے کے موضوع پر ایک تقریر میں روشنی ڈالی تھی لیکن کیا واقعی یہ ممکن ہے؟

جواب: اصل میں صورت حال یہ ہے کہ ایک مریض لاعلاج ہوتا ہے یا اچھا معالج میسر نہیں آتا۔ اور وہ بالآخر مر جاتا ہے۔ اس کی تقدیر یہی ہے۔ دوسرا شخص شدید بیمار ہے لیکن موزوں علاج اور ماہر معالج کی بدولت صحت یاب ہو جاتا ہے۔ اس کی تقدیر میں یہی ہے تقدیر دو طرح کی ہوتی ہے تقدیر مبرم اور تقدیر معلق۔ مسئلہ جبر و قدر پر سیر حاصل کتابیں عربی زبان میں موجود ہیں۔

سوال: علامہ اقبالؒ نے اپنے ایک خط میں کسی کو مصیبت کے وقت صمیم قلب سے دعا کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اور لکھا تھا دعا مسلمان کے لیے تلوار ہے۔

جواب: اس مفہوم سے ماثل ایک حدیث نبویؐ موجود ہے۔ اس سے آگے مولانا کے یہ الفاظ نہایت توجہ کے لائق ہیں۔ دعا کے لیے اس ہستی کے یقین کی ضرورت ہے جس سے دعا کی جائے پھر اس یقین کی کہ اس کو ہر طرح کی قدرت ہے اور دینے کے لیے اس کے پاس سب کچھ ہے، پھر اس یقین کی کہ اس کے در کے سوا اور کوئی در نہیں۔ پھر اس یقین کی کہ وہ خود بھی دینا چاہتا ہے اور محبت و رحمت، بخشش و عطا اور احسان و انعام اس کی خاص صفت ہے۔ اور کوئی لیکر اتنا خوش نہیں ہوتا۔ جتنا وہ دے کر خوش ہوتا ہے۔ پھر اس یقین کی کہ مخلوق محتاج محض اور سراپا کشکول گدائی ہے پھر اس یقین کی کہ وہ معبود اپنی ہر مخلوق سے دنیا کی ہر چیز سے یہاں تک کہ اس شہ رگ سے زیادہ قریب ہے وہ ہر ایک کی سنتا ہے۔ اور ہر ایک کی ہر حال میں مدد کر سکتا ہے۔

سوال: حال ہی میں کراچی میں منعقد ہونے والی اسلامی ایشیائی کانفرنس کی کامیابی کے بارے میں آپ کی توقعات کیا ہیں؟

جواب: مجموعی طور پر صورت حال کچھ اور بہتر ہوئی ہے اس کانفرنس کی بدولت اتنے بہت سے مسلمان نمائندوں کو یکجا ہو کر مشترکہ مسائل پر غور کرنے کا موقع ملا بہت سے اہم مسائل زیر بحث آئے۔ اصولی طور پر میں بہت زیادہ کانفرنسوں کو وقت کا ضیاع سمجھتا ہوں۔ اور زیادہ باتوں سے میرے دل میں زیادہ حسن ظن پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وقت بھی صرف ہوتا ہے اور سرمایہ بھی۔ تاہم یہ کانفرنس متعدد وجوہ سے بہتر رہی۔ عربی زبان کی ترویج، قرآن کریم کے نسخوں کی اشاعت، مسلمان نوجوانوں کی اصلاح و تربیت، باہمی مسائل میں ربط و تعاون، اچھی باتیں ہیں۔ بہرحال کانفرنس کے نتائج کی باضابطہ رپورٹ جلد سے جلد سعودی عرب سے جاری ہوگی لیکن جس جذبے سے کانفرنس بلائی گئی اور جس اتحاد فکر سے کارروائی جاری رہی اور جتنے زیادہ مندوبین نے اس میں سرگرم حصہ لیا۔ اس سے میں یہی توقع کرتا ہوں کہ نتائج بھی حوصلہ افزا ہوں گے عالم اسلام میں اتحاد بڑھے گا۔ اصل مسئلہ عمل درآمد کا ہے۔ زعمائے ملت اپنی ذمہ داری کو بخوبی پورا کریں گے — تو انشاء اللہ کانفرنس کے اعلیٰ مقاصد کو تکمیل تک پہونچانے کا مرحلہ بھی آسان ہو جائے گا۔

سوال: آپ بھارتی علماء کے وفد کے قائد کی حیثیت سے پاکستان تشریف لائے لیکن کچھ علماء کراچی پہلے پہونچ گئے۔؟

جواب: اصل میں ہندوستان سے براہ راست یہاں نہیں آیا میں رابطہ کی تاسیسی مجلس کا رکن ہوں اور سعودی عرب کی جامعہ اسلامیہ کی سپریم کونسل کا رکن بھی وہاں ۲۰، ۲۱، ۲۲ رجب کو طلباء کی کونسل کا سالانہ اجلاس تھا میں اس میں شرکت کے لئے سعودی عرب گیا ہوا تھا۔ جب ایشیائی اسلامی کانفرنس میں شرکت ضروری قرار پائی تو رابطہ ہی کے ذریعہ ویزا حاصل کیا اور جدہ سے کراچی پہنچا۔ اخبارات میں شائع ہونے والی بعض خبروں کے سلسلے میں یہ وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ رابطہ عالم اسلام نے یہ دعوت نامے مختلف ممالک میں اسلامی تنظیموں کو جاری کئے تھے اس لئے سرکاری سطح پر ہندوستان سے بھی علماء کا کوئی وفد نہیں آیا پھر یہ کہ میں اور مولانا منظور نعمانی رابطہ کی تاسیسی مجلس کے رکن ہیں اس لئے رابطہ جہاں دنیا کے کسی حصے میں بھی کانفرنس یا اجلاس میں مدعو کرے ہمارے لیے اس میں شرکت ضروری ہوتی ہے۔

سوال: مولانا اسلامی تاریخ، اور تحقیق و تصانیف میں آپ کا مقام بلند ہے۔ پاکستان کی اسلامی مشاورتی کونسل کے ایک اجلاس میں کونسل کے چیرمین ریٹائرڈ چیف جسٹس افضل چیمہ کی خصوصی دعوت پر آپ نے شرکت فرمائی۔ مولانا ظفر انصاری، جناب خالد اسحٰق بار ایٹ لا، وفاقی وزیر مذہبی امور جناب اے کے بروہی اور دوسرے اراکین کونسل سے تبادلۂ خیال کا موقع آپ کو ملا کیا آپ پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل کے کام سے مطمئن ہیں؟

جواب: اسلامی قوانین کی تدوین ایک نازک مشکل اور بڑی ذمہ داری کا کام ہے یہ کام بہت تاخیر سے شروع ہوا۔ اس کام کو خلافت عثمانیہ کے اختتام سے پہلے ۶۰-۷۰ برس پہلے ترکی میں شروع ہو جانا چاہئے تھا۔ بہرحال میں نے محسوس کیا ہے کہ پاکستان میں یہ کام کرنے والے لوگ لائق اور سنجیدہ ہیں۔ ایک زمانے میں یہ کام مصر میں شروع ہوا تھا لیکن پورا نہ ہو سکا۔ پھر کویت کی حکومت نے ممتاز علماء و فقہاء کے تعاون سے اسلامی قوانین کی تدوین شروع کرائی لیکن کام کی رفتار سست اور مصارف کثیر ہونے کے باعث روک دینا پڑا۔ اب یہ کام اگر پاکستان میں پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے اور جس کی طرف تمام لوگوں کی نظریں لگی ہوئی ہیں — تو صرف پاکستان کے مستقبل اور تحفظ کی ضمانت بھی ہوگا بلکہ پورے مشرق وسطیٰ، افریقہ اور یورپ اور پوری دنیا کے لیے ایک قابل تقلید مثال ہوگا۔ میں اس کام کی دشواریوں سے واقف ہوں اسی لئے اس نقطۂ نظر کی حمایت نہیں کر سکتا کہ مدوّن اور منضبط قوانین شریعت جن میں معاشیات، تمدن، اقتصادی نظام، طرز تعلیم، قانون جرم و سزا، نظام محاصل اور تشکیل حکومت سب کچھ شامل ہے ان کے بغیر بس ایک فرمان سے نظام اسلامی نافذ کرنے کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔

نظام تعلیم کو مسلمانوں کے مزاج اور قومی تقاضوں کے مطابق بنانے کی کیا اہمیت ہے اور اس سلسلے میں کیا اقدام مناسب ہے؟

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا فکر انگیز نقطۂ نظر:-

اسلامی ملکوں میں نظام تعلیم کی اہمیت کا موضوع نازک بھی ہے اہم بھی اور وضاحت و صراحت کا محتاج بھی۔ اس سلسلے میں پہلی نفسیاتی حقیقت جس سے صرف نظر کرنا ناممکن ہے وہ اسلامی معاشرے میں ایسے اشخاص کا وجود ہے جن کو اس عقیدے پر (جس پر اس معاشرے کی اساس ہے) قلبی طور پر انشراح نہیں ہوتا اور وہ ان حقائق و مبادی اور مقاصد و اقدار پر یقین نہیں رکھتے جن کے لیے یہ معاشرہ زندہ اور کوشاں ہے۔

یہ در اصل اس انسانی معاشرے کا مزاج اور خاصہ ہے جو کسی مخصوص عقیدہ اور متعین حدود و قیود کا پابند ہے اور جب اس معاشرے اور جماعت کا کوئی فرد ان حدود کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ اس کے دائرے سے خارج یا اس کا باغی قرار دیا جاتا ہے اور ان حقوق و امتیازات سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے جو اس کو اب تک حاصل تھے۔ برخلاف قومیتوں کے جن کا دروازہ ہر عقیدہ و مسلک اور ہر قسم کے صحیح اور غلط طرز زندگی اور کردار کے لئے کھلا رہتا ہے اور ان کی صرف ایک شرط ہوتی ہے اور وہ یہ کہ یہ فرد اپنی قومیت تبدیل نہ کرے۔ حکومت یا ملک کے خلاف کوئی سازش نہ کرے۔ اور کسی قومی غداری کا مرتکب نہ ہو۔

یہ مسئلہ اس وقت کچھ اور پیچیدہ بن جاتا ہے جب یہ عنصر اپنی ذہانت و ہنرمندی سے نیز عوامی اعتماد حاصل کرنے اور دوسروں پر چھا جانے کی وجہ سے زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اس کے بعد پورے معاشرے کو اس راستے پر لے جاتا ہے جو اس کے نزدیک الحاد و بے دینی اور اس کے طے شدہ اصولوں اور اخلاقی قدروں سے بغاوت کے راستے ہیں۔ بعض اوقات معاشرہ کو ان مقاصد کی طرف بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکایا جاتا ہے جو اس کے دین و عقیدے کے سراسر منافی یا اس کے متوازی ہوتے ہیں۔ وہ ایک ایسی عمیق نفسیاتی کشمکش سے دوچار ہوتا ہے جس سے زیادہ سخت کشمکش تاریخ انسانی، تاریخ اخلاق و نفسیات اور تاریخ مذاہب میں شاید ہی کبھی پیش آئی ہو۔

مسلمانوں کے مزاج اور قومی تقاضوں کے لئے موزوں ترین نظام تعلیم کی جستجو!

مسلمان آج جس عمیق نفسیاتی کشمکش سے دوچار ہیں، ایسی کشمکش تاریخ اخلاق اور تاریخ مذاہب میں شاید ہی کبھی پیش آئی ہو!

وہ موت و زیست کی درمیانی اور بحرانی کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے جس سے اس کو کسی وقت چھٹکارا نہیں ملتا۔ اور ان لوگوں کی بڑی تعداد جن کے پاس اخلاقی و نفسیاتی حفاظت کا کوئی سامان یا ایمان و روحانی قوت کا کوئی ذخیرہ یا کوئی علمی و فکری حصار نہیں ہوتا اس سمندر میں غرقاب ہو جاتی ہے۔ دولت کے پرستار، چڑھتے سورج کے پجاری، موقع پرست، ابن الوقت اس کا خصوصیت سے اور زیادہ آسانی سے شکار ہو جاتے ہیں۔ یا پھر دوسری شکل میں نفاق پورے معاشرے میں عام ہو جاتا ہے۔ معاشرے کی داخلی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اولین اسلامی سوسائٹی برابر صحت مند اور آلائشوں سے محفوظ رہی۔ نفاق اس کو کمزور اور کرم خوردہ نہ بنا سکا۔

اس کے بعد غیر ملکی اقتدار اور مغرب کی فکری و تہذیبی یلغار کا دور شروع ہوتا ہے اور مشرق اپنے ارادے سے یا بلا ارادہ مغربی طرز تربیت، نظام تعلیم، دبستان فکر، زندگی اور انسان کے مغربی تصور اور علوم و فنون کے مغربی زاویۂ نگاہ کے سایہ میں یا زیادہ بہتر الفاظ میں اس کی گود میں اس طرح آجاتا ہے جیسے کوئی شیر خوار بچہ کسی دیرینہ سال مربی یا اتالیق کی آغوش میں چلا جاتا ہے بدقسمتی سے (مسلمانوں نے) اپنے تعلیمی منصوبوں اور علمی اداروں کی تشکیل میں بیرونی ملکوں کے تعلیمی مشیروں کو پورا اختیار دے رکھا ہے اور ان ملکوں سے صرف درسی کتابیں ہی نہیں درآمد کر رہے ہیں بلکہ وہ ان ملکوں میں اپنے تعلیمی وفود بھیجتے ہیں تاکہ وہ مغربی ماہرین تعلیم اور اساتذہ کی تربیت میں نشو و نما حاصل کریں۔ پھر ان کو ممالک اسلامیہ کے تعلیمی منصوبوں اور پالیسیوں کی تشکیل و تربیت کی پوری آزادی بھی دے دیتے ہیں کہ جس طرح چاہیں ان کا نقشہ بنائیں اور ان کا جو رخ چاہیں متعین کریں اس کے نتیجہ میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جو اپنے عقائد و افکار اور اپنے اخلاق و سیرت میں ذہنی انتشار کا شکار ہو گیا ہے فکر مغربی اور فکر اسلامی کے درمیان تذبذب کی حالت بھی بسا غنیمت تھی لیکن اس نے اکثر اوقات اپنے ملک ... اور اپنے معاشرے کے سارے معتقدات و مسلمات اور اصول و اقدار سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔

غیر ملکی اقتدار اور مغرب کی فکری و تہذیبی یلغار کو ہم روحانی قوت، اعلیٰ فنی مہارت اور باطنی حریت سے روک سکتے ہیں۔

سوال: مولانا آج کل جہاں کہیں تعلیمی فروغ کی بات کی جاتی ہے تو مسلمانوں کے انحطاط کا زیادہ بڑا سبب سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم میں پسماندگی کو بتایا جاتا ہے۔

مولانا ندوی: عہد حاضر کے ماہرین تعلیم نے بالاتفاق اس کا اظہار کیا ہے کہ تعلیم کوئی ایسا تجارتی سامان نہیں ہے جو درآمد یا برآمد کیا جا سکے مثلاً مصنوعات۔ کچا مال یا وہ ایجادات و ضروریات جو کسی ملک اور علاقے کیلئے مخصوص نہیں وہ ایسا لباس ہے جو ان اقوام کے قد و قامت و جسامت کی ٹھیک ناپ کے مطابق تراشا اور لیا جاتا ہے اور پسندیدہ و محبوب علم و فن اور ان مقاصد کو سامنے رکھ کر تیار کیا جاتا ہے، جن سے وہ ہر طرح کی قربانی دے سکتی ہیں۔

سوال: گویا تعلیم محض برائے معاش یا ذریعہ روزگار ایک مکمل نظریہ نہیں بلکہ حصول علم کا مقصد اس سے کہیں زیادہ وسیع تر ہے۔

مولانا ندوی: تعلیم صرف اس عقیدے کو مضبوط کرنے کا ایک مہذب اور شائستہ طریقہ ہے جس کا حامل یہ ملک یا قوم ہے اس کا مقصد فکری طور پر اس کو غذا دینا اس پر اعتماد پیدا کرنا اور اگر ضرورت ہو تو علمی دلائل سے اس کو مسلح کرنا ہے وہ اس عقیدے کے دوام و بقا کا وسیلہ اور بے کم و کاست آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ نظام تعلیم کی بہترین تعریف یہ ہے کہ وہ والدین ... اور نگرانوں کی اس سعی پیہم کا نام ہے جو وہ اپنی اولاد کو اپنے دین و مسلک پر قائم رکھنے کے لئے کرتے رہتے ہیں اور ان کی اس طرح تربیت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ان کے ورثہ کو جو انہوں نے اپنے آباو اجداد سے حاصل کیا تھا صالح و اہل ...

دانشں اور امین ثابت ہوں۔ اور ان کے اس ثروت میں اضافہ اور توسیع اور اس کو ترقی دینے کی پوری صلاحیت ہو۔

برطانیہ کے ماہرین تعلیم کی ایک رپورٹ میں یہ بات کہی گئی ہے جس کا یہ خلاصہ (مسلمانوں کے لئے) بہت اہم ہے۔ ریاست کا مفاد اس میں ہے کہ وہ دیکھے کہ اسکولوں کے ذریعہ قومی زندگی کے مکمل اجزاء نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اس کا کام ہے کہ یہ دیکھے کہ طلباء قومی مفاد کے مقررہ معیاری کارکردگی کو قائم رکھتے ہیں اور اسے ترقی دیتے ہیں ریاست کی ظاہری تعلیمی سرگرمی کے پس پشت بڑ مرتب فیکس حاشیے کی سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ بچے قومی معیار خصوصیات کے جانشین بنتے ہیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنے تجزیہ میں مزید مثالیں دے کر یہ حقیقت ذہن نشین کرائی ہے۔

مغرب اپنے سیاسی نظاموں اور مکاتب خیال کے اختلاف نیز اپنے مشرقی و مغربی کیمپوں اور اپنی ساری قومی بیماریوں اور نقائص اور خامیوں کے باوجود اس تعلیمی پالیسی پر پوری طرح کاربند ہے اور تعلیم و تربیت کے تمام شعبوں میں اس نے اس کو تمام و کمال نافذ کر رکھا ہے اور اس کے تمام تعلیمی پروگرام اور تعلیمی پالیسیاں اسی مقرر کردہ اصول کی تابع ہیں۔

سوویت یونین بھی جو انقلابی ذہن اور اپنی انتہا پسندی میں مشہور ہے اس اصول کو نافذ اور جاری کرنے میں سرمایہ دارانہ جمہوری ملکوں سے پیچھے نہیں رہا بلکہ شاید اپنے اشتراکی نظریہ کی حفاظت اور انقلابی روح کی بنا پر اس اصول کو عملی جامہ پہنانے میں وہ ان ممالک سے بھی آگے ہے۔ چنانچہ ١٩٥٦ء میں ایک سرکاری حکم نامہ جاری کیا گیا جس میں کہا گیا کہ:

ان خصوصیات کے حصول میں سماجی علوم کی تعلیم ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مارکسزم لینن ازم کے مبادیات کا علم ہر فن کے ماہرین کے لئے اشد ضروری ہے۔ ہمارے نوجوانوں کی تربیت اس طرح ہونی چاہیے کہ ان میں بورژوا نصب العین اور احیاء پرستی کے خلاف تعصب کی روح سرایت کر جائے۔

یہی وہ چیز ہے کہ جس کی وجہ سے مغرب اس نقصان سے محفوظ رہا جس کا شکار مشرق کے اسلامی و غیر اسلامی ممالک ہیں۔ چنانچہ آج مغرب میں عوام اور قیادت یا جمہور اور حکومت میں کسی گہری اور وسیع نظریاتی، ذہنی و فکری خلیج کا سراغ نہیں ملتا وہاں صرف ایک طرز اور ایک آئیڈیل اور ایک قسم کے اصول و نظریات اور مقاصد و نصب العین پائے جاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے یہ ممالک اندرونی سازشوں اور بغاوتوں سے محفوظ ہیں۔

سوال:- ہمیں ان عوامل کو سامنے رکھ کر کس قسم کا فکری اور کس قسم کا تعلیمی نظام اختیار کرنا چاہیے؟

مولانا ندوی:- اس مسئلہ کا حل خواہ وہ کتنا ہی دشوار نظر آ رہا ہو اور صبر آزما اور دقت طلب ہو، اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس نظام تعلیم کو از سر نو ڈھالا جائے اور اس کو امت مسلمہ کے عقائد و زندگی کے نصب العین، مقاصد اور ضروریات کے مطابق بنایا جائے اور اس کے تمام اجزاء سے مادیت خدا سے سرکشی، اخلاقی و روحانی قدروں سے بغاوت اور جسم و خواہشات کی پرستش کی روح اور اسپرٹ کو ختم کیا جائے، اور اس کے بجائے تقویٰ انابت الی اللہ، آخرت کی اہمیت اور فکر پوری انسانیت پر شفقت کی روح اس میں جاری و ساری کر دی جائے اس مقصد کے لئے زبان و ادب سے لے کر فلسفہ اور علم النفس تک اور علوم عمرانیہ سے لے کر اقتصادیات و معاشیات تک صرف ایک روح پیدا کرنی ہوگی۔ مغرب کے ذہنی غلبہ اور تسلط کا خاتمہ کرنا ہوگا۔ اس کی قیادت و امامت کا انکار کرنا پڑے گا۔ اس کے علوم و نظریات پر علمی تحلیل و تجزیہ اور بے لاگ تنقید کا سلسلہ اور جرأت مندانہ عمل کرنا ہوگا اور یہ ثابت کرنا ہوگا کہ مغرب کی کامیابیوں اور پیش قدمیوں نے انسانیت اور تہذیب کو کتنا نقصان پہونچایا ہے۔

اس راہ میں اگرچہ بہت سے سنگ گراں ہیں اور نتائج بھی بہت تاخیر سے ظاہر ہو سکتے ہیں لیکن یہ تجدد پسندی، آزاد خیالی اور مغرب کی ذہنی غلامی کی اس طوفانی موج کو روکنے کا واحد طریقہ ہے جس نے عالم اسلام کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہلا کر رکھ دیا ہے اور اسلام کے فکری و اجتماعی ڈھانچہ اور ملت ابراہیمی کے شیرازے کے لئے ایک چیلنج بن گئی ہے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا موقف مسلمانوں کے اس ذہنی و فکری قتل عام پر نہایت دردمندانہ ہونے کے ساتھ بڑا واضح ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے یہ الفاظ تاریخ کی ایک بلند آہنگ گونج محسوس ہوتے ہیں۔

یہ قتل معنوی اس قتل جسمانی سے کسی طرح کم نہیں۔ اس زود اثر اور مہلک زہر میں جو چشم زدن میں انسان کو موت کی نیند سلا دے اور اس زہر میں جس میں انسان گھٹ گھٹ کر مرے۔ نتیجہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے اور قرآن مجید نے دونوں سے منع کیا ہے۔

"ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما"

مفہوم: اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔ (القرآن ٤ - ٢٩)

سوال:- مولانا بڑی تلخ حقیقت ہے کہ پہلے اسلام کے دشمنوں خصوصاً اشتراکیوں نے مسلمانوں کو "اسلام پسند" کی ایک عجیب اور معنی خیز اصطلاح سے نوازا۔ اب دین مبین کے نام لیواؤں کو کھلم کھلا رجعت پسند کہتے ہیں۔ جس کا مقصد نوجوانوں کو اس گمراہی میں مبتلا کرنا ہوتا ہے کہ اگر انہوں نے اسلامی احکامات و تعلیمات پر عمل کیا تو وہ جاہل اور پسماندہ رہ جائیں گے۔

مولانا ندوی:- اسلام کے خمیر میں ایک ایسی باطنی قوت پوشیدہ ہے جو خوابیدہ صلاحیتوں کو جگاتی، ذہانت کے خشک سوتوں کو روانی بخشتی اور انسانی صلاحیتوں کو اور طاقتوں کو انسانی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کرنا سکھاتی ہے انسان کی فطرت سلیم خود بڑھ کر دین فطرت کا استقبال کرتی ہے اور اس کے ساتھ اس طرح ہم نوا اور ہم آہنگ ہو جاتی ہے جیسے وہ اس کے انتظار میں دن گن رہی تھی۔ علوم اسلامیہ کا درخت ہر طرح کی زمین اور ہر قسم کی آب و ہوا میں برگ و بار لاتا اور نئے نئے شگوفے کھلاتا ہے۔ نیز یہ کہ دوسرے شاداب درخت سے قلم لگانے سے اس کی قوت نمو اور شادابی بڑھ جاتی ہے۔

سوال:- مولانا ہماری نئی نسل مغربی سائنسدانوں اور ان کی ایجادات سے غلبہ کی حد تک متاثر ہے صحیح صورت حال کیا ہے؟

مولانا ندوی:- ایک دور ایسا بھی آیا تھا جب مسلمانوں کی تہذیب و تمدن یورپ کے تہذیب و تمدن سے زیادہ شاندار تھی اس نے یورپ کو بہت سی انقلابی قسم کی صنعتی و فنی ایجادات عطا کیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس نے یورپ کو اس علمی طریقے کے اصول و مبادی دیے جس پر علم جدید اور تہذیب جدید کی بنیاد ہے لیکن اس کے باوجود جابر بن حیان کا کیمسٹری کا علم عربی نہیں کہلایا۔ اسی طرح الجبرا اور علم مثلثات کو اسلامی علوم نہیں کہا گیا۔ حالانکہ اول الذکر کا موجد خوارزمی ہے اور موخر الذکر کا بتانی اور یہ دونوں ہی مسلمان تھے ٹھیک اسی طرح نظریہ کشش کو کوئی انگریزی علم نہیں کہہ سکتا۔ اگرچہ اس کا موجد انگریز تھا۔ یہ بڑے بڑے علمی کام نوع انسانی کی میراث ہیں اگر مسلمان صنعتی علوم و فنون ترقی کی فطری خواہش سے اپنائیں تو حق بجانب ہیں، لیکن باطنی حریت کے ساتھ جو بہر حال مقدم ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی شخصیت اور کارنامے:

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نہ صرف برصغیر ہند و پاک بلکہ عالم اسلام کے ایک نامور عالم ممتاز دانشور عظیم مفکر اور مشہور و معروف محقق ہیں۔ فن خطابت میں انہیں جو مہارت حاصل ہے اس کی بدولت انہوں نے پاکستان کے دوران قیام بھی بہت سے جلسوں اور تقریبات میں اُردو اور عربی زبان میں اپنی خطابت سے فصاحت و بلاغت کے دریا بہائے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے وہ ناظم اعلیٰ ہیں۔ مجلس نشریات اسلام جو ١٩٥٩ء میں انہی کی کوششوں سے قائم ہوئی۔ اب تک تقریباً ایک سو کتابیں اس ادارہ نے احیائے ملی اور تبلیغ اسلام کے موضوعات پر شائع کی ہیں جن کے عربی، انگریزی تراجم مقبول ہو چکے ہیں مولانا رابطہ عالم اسلامی کی تاسیسی مجلس کے رکن اور سعودی عرب کے طلبا کی سپریم کونسل کے معزز ممبر ہیں ندوۃ العلماء کی فکری تحریک کا آغاز ١٨٩٢ء میں مولانا سید محمد علی مونگیری نے کیا تھا۔

مولانا شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی اور دوسرے نامور علماء نے اس تحریک کو بڑی محنت شاقہ سے آگے بڑھایا۔ اور آج یہ دار العلوم وسیع و عریض رقبہ میں پھیلا ہوا ہندوستان کا ایک عظیم الشان علمی، دینی ادارہ بن چکا ہے بیشمار ملکی و غیر ملکی طلبا یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر دنیا بھر میں پھیل چکے ہیں۔ عالیشان مسجد شاندار کتب خانہ، دار التصنیف و التحقیق۔ سب شعبوں میں اضافہ جاری رہا ہے۔ نومبر ١٩٧٥ء میں ندوۃ العلماء کی ٨٥ویں سالگرہ کا جشن لکھنؤ میں بڑے اہتمام سے منعقد ہوا۔ جس میں دنیا بھر کے علماء و فضلاء نے شرکت کی۔ مولانا محمد الحسنی نے روداد چمن کے نام سے اس کی روداد مرتب کی جناب محمد الحسنی جریدہ "البعث الاسلامی" کے مدیر بھی ہیں مولانا اسحٰق جلیس ندوی مدیر "تعمیر حیات" نے بھی جشن کی کامیابی میں اہم کردار ادا کیا۔ مولانا کی طرح ان کے رفقا اور نائبین بھی نہایت ملنسار، خلیق اور اعلیٰ سیرت کے حامل ہیں جس طرح مولانا سید ابوالحسن علی میاں سے مل کر احساس کم مائیگی ہوتا ہے اسی طرح ہندوستان سے آئے ہوئے دوسرے علماء سے ملاقات کر کے قلب کو ایک انجانی سی طمانیت حاصل ہوئی۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تقاریر اور تصانیف نے ہر طرف دھوم مچا دی ہے۔ مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی نے جو کتابیں اردو زبان میں پاکستان میں شائع کی ہیں۔ مطالعہ کے لئے ان میں بڑا فکری مواد ہے۔

مولانا علی میاں کی چند تصانیف یہ ہیں:-

(١) تاریخ دعوت و عزیمت (٢) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش (٣) مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر (٤) منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین (٥) جب ایمان کی بہار آئی (٦) کاروان مدینہ (٧) پرانے چراغ (٨) قادیانیت (٩) تعمیر انسانیت (١٠) ارکان اربعہ (١١) نقوش اقبال (١٢) دریائے کابل سے دریائے یرموک تک (١٣) معرکۂ ایمان و مادیت (١٤) صاف صاف باتیں (١٥) تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، سیرت سید احمد شہیدؒ وغیرہ۔

اس موقع پر ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات کو فروغ دینے کے موضوع پر مولانا سے یہ اہم گفتگو ہوئی:-

سوال: مولانا ہندوستان کے مسلم علماء کے پاکستان آنے سے یہاں کے مسلمانوں میں جو گرمجوشی پائی جاتی ہے۔ جس محبت، اخوت، یگانگت اور عقیدت و احترام کا اظہار کیا جا رہا ہے کیا آپ نے اس سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ ہندوستان پاکستان کے تعلقات پر بھی اس دورے کا خوشگوار اثر مرتب ہوگا۔

جواب: آپ نے بہت اچھا سوال کیا مجھے پورا یقین ہے کہ ہمارے اس دورے سے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان خیر سگالی میں نمایاں اضافہ ہوگا باہمی تعلقات کو مزید فروغ حاصل ہوگا۔ جتنا زیادہ دونوں ملکوں کے افراد اور اہم شخصیتیں ایک دوسرے ملک میں جائیں گی ماضی کی تلخی میں کمی آئے گی۔ مثلاً میں جب ہندوستان واپس پہونچوں گا تو یہاں میں نے ہندوستان کے مسلمانوں یا حکومت ہند کے لیے جو اچھے جذبات دیکھے ہیں ان کا ذکر ضرور کروں گا بدقسمتی سے ہندوستان کے بہت سے حلقوں میں یہ تاثر عام طور پر موجود ہے کہ پاکستان میں ہر شخص بر سر جنگ بیٹھا ہے اور اس کے دل میں ہندوستان کے لئے نفرت اور دشمنی کے سوا کچھ نہیں۔ حالانکہ میں نے یہاں اُس خیر سگالی کو خوب محسوس کیا جو ہندوستان کے لئے موجود ہے ہر شخص دونوں ملکوں کو دوستانہ تعلقات مستحکم کرتے اور ترقی کرتے دیکھنا چاہتا ہے۔ میرا خیال ہے باہمی وفود کا تبادلہ بین المملکتین غلط فہمی کو دور کرنے کا بہترین ذریعہ ہوتا ہے مجھے یقین ہے کہ ماضی میں دونوں ملکوں کے معاملات میں جو خلیج پیدا ہو گئی ہے دونوں ملکوں کے سنجیدہ لوگ اسے جلد ختم کر دیں گے۔

سوال: یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اندرا حکومت کے دور میں پاکستان ہندوستان کے تعلقات متواتر نازک مرحلوں سے گذرتے رہے لیکن آج کل پاکستان اور ہندوستان میں جو حکومتیں ملک کا انتظام چلا رہی ہیں وہ بنیادی طور پر باہمی تعلقات کو دوستانہ خطوط پر استوار رکھنے میں نہایت سنجیدہ ہیں۔ اس طرح علمائے ہند کا دورہ پاکستان ایک اور اچھی پیش رفت ثابت ہو سکتی ہے۔

جواب:- یقیناً اس وقت دونوں حکومتوں کی یہی خواہش ہے اور میں تو زیادہ واضح طور پر کہتا ہوں کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں اور ان کے عوام کی بھلائی اسی میں ہے کہ ایک دوسرے سے پورا تعاون کریں اپنے درمیان تمام مسائل مفاہمت سے دور کریں اور اپنے اپنے ہاں کے عوام میں خوشحالی ترقی اور دوستی کا یکساں جذبہ پیدا کریں۔

سوال:- کیا آپ اسلامی قوانین کی تدوین کے اس کام میں تعاون فرمائیں گے؟

جواب: میں ہندوستان میں ہوں اس لئے اصل ذمہ داری تو یہیں کے علماء و فضلاء کی ہے تاہم ہماری ہمدردیاں اور نیک تمنائیں اس بڑے کام کی تکمیل سے وابستہ ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اس دور کا مجدد وہ ہوگا جو آج کے دور میں اسلامی دستور اور قوانین زندگی کو باقاعدہ منضبط اور مدون کرے گا۔

سوال:- کچھ لوگوں نے الزام لگایا ہے کہ ایک خاص اور نئے فقہ کو مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

جواب: یہ بالکل غلط اندیشہ ہے۔ فقہ حنبلی یا کوئی اور نیا فقہ مسلط کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسلامی دستور کو من حیث المجموع لانے کی کوشش جاری ہے۔ اسلام میں تنگ نظری اور عصبیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ رابطہ اور حکومت سعودیہ اس کام کی تکمیل میں اصولی اعتبار سے تعاون کر رہے ہیں۔

سوال:- مسلم ممالک میں اشتراکی صیہونی اور قادیانی عناصر ابلاغ عامہ کے اداروں کو غلط خطوط پر چلا کر مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں، فحاشی پھیلا رہے ہیں۔ علاقائی اور مذہبی فرقہ بندی کو ہوا دے رہے ہیں۔

جواب:- یہ فتنے صرف پاکستان کے لئے نہیں پوری دنیائے اسلام کے لئے مستقل خطرہ اور چیلنج ہیں۔

مجھے پاکستانی اخبارات اور نشریاتی اداروں میں ان عناصر کی سرگرمیوں کا حال معلوم ہو کر بہت رنج ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے مخالف اور مسلمانوں کے اتحاد کے دشمن بہت پہلے سے اخبارات ریڈیو اور ٹیلیویژن جیسے ابلاغ عامہ کے اداروں میں جا گھسے ہیں۔ لیکن انہوں نے اس فن میں جلدی مہارت حاصل کر کے اپنا غلبہ بڑھایا ہوگا۔ اس کا علاج یہی ہے کہ صحیح العقیدہ مسلمان اور اسلام اور مسلمانوں کے سچے ہمدرد ان فنون میں درس حاصل کریں اور زیادہ سے زیادہ ان اداروں میں شامل ہوں تاکہ اپنی مہارت اور قابلیت کی بنیاد پر انہیں بااختیار حیثیت حاصل ہو سکے۔ اور اسلامی معاشرے کی تشکیل میں اخلاص سے ان ذرائع کو استعمال کر سکیں۔

سوال:- پاکستانی اخبارات و جرائد کے بارے میں آپ کا تاثر کیا ہے؟

جواب:- اخبارات و جرائد اور کتابیں ان اخلاقی قدروں کا لحاظ رکھ کر شائع کی جائیں کہ مسلمان انہیں خرید سکیں اور اپنے گھروں میں لے جا سکیں۔ محض دولت کمانے کے لئے عریانی یا فحاشی پر مبنی لٹریچر شائع کرنا ملی سطح کا نقصان ہے۔

سوال:- مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی کی جانب سے جناب فضل ربی نے نہایت معقول انتظام کر دیا ہے کہ جیسے ہی آپ کی کوئی کتاب دنیا کے کسی ملک میں شائع ہو اس کا اُردو ترجمہ پاکستان میں شائع ہو جائے۔ لیکن آپ کی کتاب "پرانے چراغ" کی جلد دوم کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی ہے؟

جواب:- "پرانے چراغ" کی جلد دوم کی تیاری ہو رہی ہے، جس میں مولانا عبد الماجد دریابادی سے لے کر مولانا ماہر القادری تک دوسری بہت سی شخصیتیں شامل ہوں گی۔ ماہر صاحب کے انتقال پر نہایت افسوس ہے مجھے سعودی عرب کے قیام کے دوران بتایا گیا انتقال سے تین چار گھنٹے قبل ماہر ہی ذکر کرتے رہے۔

سوال:- عالم انسانیت کے نام آپ کا پیغام جس میں مسلمانوں کے جملہ مسائل شامل ہوں۔

جواب: ● اغراض و تعصبات، قوم پرستی اور سیاسی مقاصد سے بالکل آزاد اور بے تعلق ہو کر

● عام انسانوں کے سامنے وہ حقیقتیں رکھی جائیں۔

● جن پر انسانیت کی نجات اور سلامتی موقوف ہے۔

● اور جن کو نظر انداز کر کے ہمارا پورا تمدن اور انسانی سوسائٹی۔

● اس وقت سخت خطرے سے دوچار اور موت و زیست کی کشمکش میں گرفتار ہے۔

● یہ حقیقتیں اپنے اپنے زمانے میں پیغمبروں نے بیان کی ہیں۔

مفتوں کوٹوی

وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ

روزہ، وہ اک عبادت مخصوص کبریا — جانے نہ جس کو کوئی بجز بندۂ و خدا
اک سلسلہ دُعا و عطا کا عجیب تر — بندہ کا اپنے رب سے تعلق قریب تر
افطار کے قریب دُعا کی قبولیت — روزہ سے۔ اتقا کی ہویدا صلاحیت
ہو دور نقص ہضم۔ گرانی کا ہر وبال — خلطوں میں اعتدال عناصر میں اعتدال
معدہ سبک، دماغ توانا، بدن درست — صحت بحال جسم کا ہر عضو تندرست
بالیدگیٔ روح، جلائے دل و جگر — پاکیزگیٔ ذہن رسا، عفت نظر
تاثیر صوم، قلب و نگاہ و خیال پاک — جز حق تعالیٰ اور کسی کا نہ خوف و باک
پیش نظر وہ حاضر و ناظر ہے ہر گھڑی — پیش نظر ہے خلوت و جلوت میں اک وہی
روزہ دلیل اس پہ عیاں بات بات ہے — اس کا ثبوت، عالم غیب اس کی ذات ہے
وہ اتقا کہ لغزش و عصیاں سے دل نفور — تنہائی ہو کہ بزم طبیعت بدی سے دور
جو شے حرام کر دی گئی وہ حرام ہے — یا خورد و نوش ہے کہ وہ آب و طعام ہے
دل کو یقین، کہ اس پہ عیاں ہے ہر ایک راز — اس ذہن سے ادائیگیٔ روزہ و نماز
خیرات و صدقہ۔ فطرہ و کفارہ و زکوٰۃ — مفلس کی منفعت ہے تو زردار کی نجات
بھوک اور پیاس کی ہے زحمت امیر بھی — محسوس اُس کے دل کو ہو رنج بیکساں

کیا اہتمام شرع ہے کیسا نظام دیں
اسلام دین حق ہے ذرا اس میں شک نہیں

پرنٹر پبلشر مسئول سید محمد حسنی نے جے۔ کے آفسٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر "تعمیر حیات" ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔

اڈیٹر: اسحٰق جلیس ندوی

احکامِ رمضان المبارک

ماہِ رمضان کی فضیلت وعظمت:

رمضان شریف اسلام میں ایک نہایت ہی مقدس اور برگزیدہ مہینہ ہے اس کی سب سے بڑی اور بنیادی عبادت روزہ ہے جو نفس کو مانجھنے اور صاف کرنے میں خاص اثر رکھتا ہے، اس مبارک مہینے میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا ہو جاتا ہے۔

رمضان شریف کا خاص شغل تلاوتِ قرآن حکیم اور اپنے اوقات کو یادِ خداوندی سے بھرپور رکھنا ہے، روزہ میں جھوٹ، غیبت، چغل خوری وغیرہ معاصی روزہ کو کالعدم اور روزہ دار کو قریب بہ ہلاک کر دیتے ہیں جس سے بچنا ضروری ہے۔

روزہ میں نیت کی ضرورت:

روزہ میں نیت شرط ہے (نیت کے معنی دل کے ارادہ کے ہیں) اگر روزے کا ارادہ نہیں کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ ادا نہیں ہوگا۔

رمضان کے روزے کی نیت نصف دن شرعی سے پہلے تک کر سکتا ہے بشرطیکہ صبح صادق کے ہونے کے بعد کچھ کھایا پیا نہ ہو، اور کوئی کام جو روزہ کا مفسد ہو نہ کیا ہو اس کے بعد اگر نیت کرے گا تو جائز نہ ہوگی۔ زبان سے نیت کرنی فرض نہیں لیکن بہتر اور مستحب یہ ہے کہ سحر کا کھانا کھا کر اس طرح نیت کر لیا کرے:

بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ

اگر افطار کے وقت ہی اگلے روزے کی نیت کر لی تب بھی جائز ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نیت کے بعد کھانا پینا جائز نہیں یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ صبح صادق ہونے سے پہلے تک کھانا پینا وغیرہ بلاشبہ درست ہے نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

جن چیزوں سے روزہ نہیں جاتا:

بھول کر کھانا پینا روزہ کو نہیں توڑتا، بلا اختیار حلق میں گرد وغبار یا مکھی مچھر چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، آٹا پیسنے والے تمباکو کوٹنے والے کے حلق میں گرد آٹا وغیرہ اڑ کر جاتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کان میں پانی چلا جائے یا خود بخود قے آ جائے یا خواب میں غسل کی حاجت ہو جائے یا قے آ کر خود بخود لوٹ جائے ان سب باتوں سے روزہ نہیں جاتا، اور کچھ خلل نہیں آتا، آنکھوں میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں جاتا، خوشبو سونگھنے سے کچھ خلل نہیں آتا، بلغم یا تھوک نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر قصداً قے کر کے

تھوڑی سی (یعنی منہ بھر سے کم) تو روزہ نہیں جاتا، تھوڑی سی قے آئی اور قصداً لوٹا کر نگل گیا تو اس میں اختلاف ہے، اگر روزہ میں کوئی بھول کر کھا پی رہا ہے اور قوی و تندرست ہے تو اس کو یاد دلا دینا ضروری ہے، اگر ضعیف و ناتواں ہے تو نہ یاد دلانا درست ہے، اگر خود بخود یا مسواک وغیرہ کرنے سے دانتوں سے خون نکلے لیکن حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آتا، اگر خواب میں یا صحبت کرنے سے رات کو غسل کی حاجت ہوئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہ کیا تو روزے میں خلل نہیں آتا، اگر دن کو سوتے ہوئے غسل کی حاجت ہو گئی تو روزہ میں ذرا بھی نقصان نہیں آتا۔ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن دماغ اور معدہ میں اگر براہِ راست کوئی دوا وغیرہ پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

جن چیزوں سے قضا واجب ہوتی ہے:

کان یا ناک میں دوا ڈالنا قصداً منہ بھر کے قے کرنا، منہ بھر قے آئی تھی اس کو نگل جانا یا کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا یہ سب چیزیں روزے کو توڑنے والی ہیں مگر صرف قضا آئے گی کفارہ واجب نہیں۔ کنکر یا لوہے، تانبے وغیرہ کو نگل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں، یا رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھائی تو اس روزے کی قضا واجب ہوگی۔ دن باقی تھا غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہو گیا روزہ کھول لیا تو صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں، جان بوجھ کر بدون عذر کے صحبت کرنا، کھانا پینا، روزہ کو توڑتا ہے اور قضا بھی آتی ہے اور کفارہ بھی۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے، اس کی طاقت نہ ہو تو متواتر ۶۰ روزے رکھنا، اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ۶۰ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا۔

جن چیزوں سے روزہ مکروہ ہوتا ہے اور جن چیزوں سے مکروہ نہیں ہوتا:

بلا ضرورت کسی شے کو چبانا، نمک وغیرہ کا ذائقہ چکھ کر تھوک دینا مکروہ ہے، قصداً منہ میں تھوک اکٹھا کر کے نگل جانا مکروہ ہے تمام دن ناپاک رہنا سخت گناہ ہے اور روزہ مکروہ ہو جاتا ہے فصد کرانا پچھنے لگوانا روزہ میں مکروہ ہے غیبت، گالی، لڑائی جھگڑا روزے کو مکروہ کر دیتے ہیں اور ثواب بہت کم ہو جاتا ہے، مسواک کرنا، سر یا مونچھوں پر تیل لگانا مکروہ نہیں۔ اگر بیوی کو اپنے خاوند یا نوکر کو اپنے آقا کے غصہ کا اندیشہ ہو تو کھانے کا نمک چکھ کر تھوک دینا مکروہ نہیں، آنکھوں میں دوا ڈالنا مکروہ نہیں۔

روزہ نہ رکھنے کی اجازت:

اگر مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو رمضان میں روزے نہ رکھے تندرست ہو جانے پر قضا کرے، اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے زیادہ ہو جانے کا خوف ہے تب بھی روزہ چھوڑ دینا جائز ہے، پھر قضا رکھے، حاملہ کو اگر بچے یا اپنی جان کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ چھوڑ دینا اور پھر قضا کر لینا جائز ہے، اپنے یا غیر کے بچہ کو دودھ پلاتی ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے عذر ہو تو قضا کر لینا جائز ہے۔ ہمارے نواح کے ۳۶ کوس یعنی ۴۸ میل (۷۷ کلومیٹر) کا سفر یا اس سے زیادہ سفر شرعی سفر کہلاتا ہے، یعنی ایسے سفر میں مسافر کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے واپس آنے کے بعد قضا کرے، اگر کوئی مسافر دوپہر سے پہلے اپنے وطن پہونچ گیا اور اب تک کچھ کھایا پیا نہیں تو اس پر واجب ہے کہ روزہ پورا کرے، کیونکہ اب سفر کا عذر باقی نہیں رہا اگر کوئی شخص کسی تیز سواری یا ریل میں تین گھنٹے میں ۷۷ کلومیٹر پہونچ جائے گا تو اس کے لئے بھی سفر رخصت یعنی نماز کا قصر اور افطار کی اجازت حاصل ہو جائے گی، بہت بوڑھا ضعیف جس کو روزہ میں نہایت شدید تکلیف ہوتی ہے روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلے پونے دو سیر وزن انگریزی، یا ایک کلو ۶۳۳ گرام گندم ایک مسکین کو دے لیکن اگر کبھی طاقت آ جائے گی تو قضا ضروری ہوگی۔ عورت کو اپنے نسوانی عذر یعنی حیض کے ایام میں روزہ رکھنا جائز نہیں، اسی طرح پیدائش کے بعد جتنے روز نفاس کا خون آئے جب خون بند ہو جاوے روزہ رکھنا چاہیئے اور رمضان شریف کے بعد ان دنوں کے روزوں کی قضا ضروری ہے جن دنوں یہ عذر رہا ہے جن لوگوں کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے ان کو بلا تکلف سب کے سامنے کھانا پینا نہیں چاہیئے بلکہ تعظیم رمضان المبارک لازم ہے۔

روزہ توڑنا اور اس کی قضا:

فرض روزے کو بلا کسی شدید تکلیف اور قوی عذر کے توڑنا جائز نہیں پس اگر سخت بیمار ہو گیا کہ اگر روزہ نہ توڑے تو جان کا اندیشہ غالب ہے، یا بیماری بڑھ جانے کا احتمال قوی ہے یا ایسی شدید پیاس لگی ہے کہ مر جائے گا تو روزہ توڑ ڈالنا جائز بلکہ واجب ہے، اگر کسی عذر سے روزے قضا ہو گئے ہوں تو جب عذر جاتا رہے تو جلد ادا کر لینا چاہیئے، کیونکہ زندگی کا بھروسہ نہیں کیا خبر موت آ جائے اور فرض ذمہ رہ جائے مثلاً بیمار کو مرض سے صحت پانے کے بعد اور مسافر کو سفر سے آنے کے بعد جلد ادا کر لینا چاہیئے۔ قضا رکھنے میں اختیار ہے کہ متواتر (یعنی لگاتار رکھے) یا جدا جدا متفرق، اگر قضا رکھنے کا وقت پایا لیکن بغیر ادا کئے مر گیا تو مناسب ہے کہ وارث ہر روزہ کے بدلے پونے دو سیر (ایک کلو ۶۳۳ گرام) گندم صدقہ کریں اور اگر مال چھوڑ گیا ہے اور روزہ کی وصیت کر گیا ہے تو ادا کرنا لازم اور واجب ہے۔

سحری کھانے کا بیان اور فضیلت:

روزے کے لئے سحری کھانا مسنون ہے، اور باعث ثواب ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "سحر کھایا کرو کہ اس میں برکت ہوتی ہے"۔ یہ ضروری نہیں کہ پیٹ بھر کر کھائے بلکہ ایک دو لقمہ یا چھوارے کا ٹکڑا یا دو چار دانے چبالے تب بھی ثواب پائے گا افضل اور بہتر یہ ہے کہ رات کے آخری حصے میں صبح صادق ہونے سے ذرا پہلے کھائے اور اگر دیر ہو گئی اور گمان غالب یہ ہے کہ صبح ہو گئی اور کچھ کھا لیا تو شام تک کچھ نہ کھائے اور پھر قضا رکھنا لازم ہے، اور اگر کسی مرغ یا مؤذن نے صبح صادق سے پہلے اذان دیدی تو سحر کھانے کی ممانعت نہیں جب تک صبح صادق نہ ہو جائے بلا تکلف کھاؤ پیو۔

افطار:

آفتاب غروب ہو جانے کے بعد افطار میں دیر نہ کرنی چاہیئے البتہ جس روز ابر ہو احتیاط کے لئے دیر کرنا بہتر ہے، کھجور یا خرما سے افطار کرنا مسنون اور باعث ثواب ہے اور یہ نہ ہو تو پانی بہتر ہے، آگ کی پکی ہوئی چیز مثلاً روٹی، چاول، شیرینی وغیرہ سے افطار کرنے سے ہرگز کراہت اور نقصان روزہ میں نہیں آتا، البتہ بہتر یہ ہے کہ کوئی پھل وغیرہ دوسری چیز ہو اور خرما و کھجور وغیرہ سب سے افضل ہے۔ اگر کسی دوسرے کی دی ہوئی چیز سے روزہ افطار کروگے تو تمہارا ثواب ہرگز کم نہ ہوگا۔ اس کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے ثواب عطا فرمائے گا؛ پھر تم اس کو واپس کر کے کیوں بخیل کہلاتے ہو، البتہ یہ مال حرام اور مشتبہ ہو تو ہرگز قبول نہ کرو، یہ حدیث و فقہ سے ثابت ہے، اگر روزہ افطار کرنے اور کھانے پینے کی وجہ سے مغرب کی نماز و جماعت میں غروب کے بعد دس بارہ منٹ کی تاخیر کر دی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں اور افطار کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لینا کافی ہے، "اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ" اور افطار کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔

ذَهَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

تراویح اور وتر:

عشاء کے فرض اور سنت کے بعد بیس رکعت تراویح با جماعت مسنون ہے اگر حافظ بلا معاوضہ پڑھنے والا مل جائے تو تمام رمضان میں ایک قرآن مجید ختم کر دینا چاہیئے۔ اس قدر زیادہ پڑھنا مکروہ ہے جس سے اکثر مقتدیوں کو تکلیف ہو اور تین دن سے کم میں ختم کرنا اچھا نہیں۔ اگر تراویح میں دو رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور پوری چار رکعت پر سلام پھیرا تو ان چاروں کو دو کی جگہ شمار کرنا چاہیئے چار نہ سمجھے، جس شخص کی دو یا چار رکعت تراویح کی رہ گئیں وہ امام کے ہمراہ با جماعت وتر پڑھ لے اور پھر اپنی باقی تراویح ادا کرے تو درست ہے، جس شخص کو عشاء کے فرض با جماعت نہیں ملے وہ وتر کو امام کے ساتھ با جماعت پڑھ سکتا ہے۔

جو حافظ روپے کی طمع میں قرآن شریف سناتا ہے اس سے بہتر وہ ہے جو اَلَمْ تَرَ كَيْفَ سے پڑھ لے۔ اگر اجرت مقرر کر کے قرآن مجید سنایا جائے تو نہ امام کو ثواب ہوگا نہ مقتدیوں کو۔ اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں سخت گناہ ہے، نابالغ کو تراویح میں بھی امام بنانا ناجائز ہے حدیث و فقہ سے ایسا ہی ثابت ہے۔

اعتکاف اور شب قدر:

اخیر عشرہ میں اعتکاف سنت ہے اگر بستی میں کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب کے ذمہ ترک سنت کا وبال رہتا ہے اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں رہنا اور سوائے حاجت ضروری اور غسل و وضو کے باہر نہ آنا۔ خاموش رہنا اعتکاف میں ہرگز ضروری نہیں البتہ نیک کلام کرنا چاہیئے بدکلامی اور لڑائی جھگڑے سے بچنا چاہیئے، اعتکاف اس مسجد میں ہو سکتا ہے جس مسجد میں پنجگانہ نماز جماعت سے ہوتی ہے۔ اگر پورے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرنا ہو تو بیس تاریخ کو آفتاب غروب ہونے سے پہلے مسجد میں چلا جائے اور جب عید کا چاند نظر آئے تو اعتکاف سے باہر ہو یہ بھی جائز ہے اور باعث ثواب ہے کہ ایک دو روز یا ایک آدھ گھنٹہ کے لئے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں رہے۔ شب قدر کا رمضان کے اخیر عشرہ میں ۲۱ یا ۲۳ یا ۲۵ یا ۲۷ یا ۲۹ کو ہونا احادیث میں وارد ہے، لہٰذا ان مخصوص راتوں میں بہت محنت سے عبادت میں مشغول رہنا چاہیئے۔

صدقۃ الفطر:

صدقۃ الفطر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس ضروریات خانہ کے علاوہ ساڑھے باون تولہ (تقریباً ۶۱۲ گرام) چاندی یا اسی قدر وزن کے چاندی کے روپے ہوں یا زیور، مال و جائداد یا تجارت کا مال ہو یا ساڑھے سات تولہ تقریباً ۸۷ گرام سونا یا اسی قدر وزن کی اشرفیاں یا زیور ہوں یہ ضروری نہیں کہ اس پر سال بھی گذر گیا ہو، اگر کسی کے پاس بہت مال ہے لیکن قرض اس قدر ہے کہ اگر ادا کیا جائے تو ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس قیمت کا اسباب باقی نہیں رہتا تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں جس شخص کے پاس مذکورہ بالا مال یا اس سے زیادہ ہو وہ اپنی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کرے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی۔

صدقۃ الفطر ایک آدمی کا ایک کلو ۶۳۳ گرام گندم یا ۳ کلو ۲۶۶ گرام جو، یا ان کی قیمت ہے، یہ وزن پونے دو سیر اور ساڑھے تین سیر کے مساوی ہے اپنے نادار عزیز و اقارب سب سے زیادہ مستحق ہیں ایک شخص کو کئی آدمیوں کا صدقہ فطر دیا جائے تو درست ہے اور اگر ایک آدمی کا صدقہ فطر کئی محتاجوں کو دیدیں تو بھی درست ہے۔ عید کی نماز سے پہلے ادا کر دینا بہت زیادہ باعث ثواب ہے۔

جس نے عذر یا غفلت سے روزے نہیں رکھے اس پر بھی صدقۃ الفطر واجب ہے بشرطیکہ مذکورہ بالا مقدار کے بقدر مال رکھتا ہو صدقۃ الفطر مؤذن یا امام وغیرہ کو اجرت میں دینا جائز نہیں اور مسجد کی تعمیر اور اس کے مصارف میں بھی لگانا درست نہیں۔

زکوٰۃ:

مال کی جس مقدار پر صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے اسی مقدار پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ زکوٰۃ کا ضابطہ یہ ہے کہ مال کی مقدار کا چالیسواں حصہ (۲½ فیصدی) ادا کیا جائے مگر اس میں مال کا نامی ہونا اور مال پر سال گذر جانا ضروری ہے، سال ختم ہونے سے پہلے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ رمضان المبارک میں زکوٰۃ ادا کرنے میں زیادہ فضیلت ہے، طالبانِ علم دین زکوٰۃ کے بہترین مصرف ہیں اس میں دوہرا ثواب ہے، فرض کی ادائیگی کا . . . اور اشاعت علم دین کا۔

رُویتِ ہلال:

اگر مطلع صاف ہو تو رمضان اور عید کے چاند میں بہت سے لوگوں کا دیکھنا معتبر ہوگا، ایک یا دو کے قول کی سند نہیں، اگر مطلع صاف نہیں تو رمضان کے چاند میں ایک مسلمان کا خبر دینا کافی ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ فاسق نہ ہو، چاند کے ثابت ہونے میں جنتری کا اعتبار نہیں ہے، ریڈیو پر چاند کی اطلاع کے معتبر ہونے نہ ہونے کی شرائط مستند علماء سے سمجھ لی جائیں، اور عید کے لئے دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں، یہ کہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ چاند دیکھا ہے اور شرط یہی ہے کہ فاسق اور بدکار نہ ہوں۔

ترکیب نماز عید:

پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کر سبحانک اللّٰھم آخر تک پڑھے اور دوسری و تیسری تکبیر میں ہاتھ چھوڑ دئے جائیں اور چوتھی تکبیر میں ہاتھ باندھ لئے جائیں امام سورۂ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھے اور مقتدی خاموش رہیں۔ دوسری رکعت میں بعد فاتحہ اور سورۃ کے تین مرتبہ تکبیر کہیں اور ہر بار ہاتھ اٹھا کر چھوڑتے رہیں پھر بغیر ہاتھ اٹھائے چوتھی تکبیر کہتے ہوئے رکوع کریں، اس نماز کا وقت آفتاب بلند ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور زوال سے پہلے تک رہتا ہے بعد نماز امام خطبہ پڑھے اور مقتدی خاموشی سے سنیں خطبہ کے بعد دعا ثابت نہیں ہے بلکہ نماز کے بعد دعا ہے قرات کو اس نماز عید الفطر سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا مستحب ہے۔

بقیہ عید

کا اجتماع اللہ اکبر کے کلمہ اللہ سے خالی نہ ہو اور الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کی ترویج ہو۔ ان دونوں ایام میں ایک وہ دن ہے

جس میں وہ اپنے روزے سے فارغ ہوتے ہیں جیسے یوم الفطر اور عرف عام میں عید الفطر کہتے ہیں۔ یہ تہوار اہ صیام کے خاتمہ پر منایا جاتا ہے۔ عید کی ادائیگی سے قبل مسلمانوں پر واجب ہے کہ رائج الوقت وزن کے مطابق ایک سیر ۱۴ چھٹانک گندم یا اس کی قیمت کے موازی رقم فطرہ کے بطور غریب بھائیوں کو ادا کریں۔ فطرہ کی رقم خاندان کے ہر فرد کے حساب سے ادا کرنی ہوتی ہے۔ فطرہ ایک قسم کی زکوٰۃ ہے، شاہ ولی اللہ صاحب اپنی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں رقم طراز ہیں کہ فطرانہ کی ادائیگی سے دو فرحتیں حاصل ہوتی ہیں ایک فرحت طبعی جو اسے روزہ سے فراغت پانے سے اور فقیر کو صدقہ دینے سے حاصل ہوتی ہے، اور دوسری فرحت عقلی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبادت مفروضہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمانے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، نیز اس روز نماز اور خطبہ مسنون ہے، تاکہ ان کا کوئی اجتماع اللہ تعالیٰ کے ذکر اور شعائرِ دین کی عظمت کے بدون نہ پایا جائے، اور شارع نے اس کے ساتھ منجملہ مقاصدِ شرع کے ایک اور مقصد رکھا کیونکہ ہر ملت کے لئے ایک دن ضرور ہوتا ہے جس میں تمام اہل ایمان جمع ہوتے ہیں تاکہ ان کی شان و شوکت ظاہر ہو، اور ان کی کثرت معلوم ہو، اس لئے عیدگاہ میں جانا سب کا مستحب ہوا، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عیدگاہ تشریف لے جاتے تو آپ ایک راستے سے جاتے اور دوسرے سے واپس آتے تھے تاکہ دونوں راستوں والے مسلمانوں کی شوکت دیکھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں پہونچ جاتے اور پھر مدینہ منورہ کے سارے مسلمان جمع ہو جاتے تو صفیں درست کی جاتیں۔ عورتیں مردوں سے الگ دوسری طرف کھڑی ہوتیں۔ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نماز کی دو رکعتیں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرتے، نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو اپنے نیزے کا سہارا لے کر اور کبھی کمان کا سہارا لے کر کھڑے ہو جاتے۔ ہر شخص ہمہ تن گوش ہو کر آپ کی باتیں سنتا کیونکہ سال میں دو بار ہی اتنا بڑا اجتماع ہوا کرتا تھا۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطاب فرماتے، آپ کا یہ سالانہ خطبہ دین کی اہم باتوں پر مشتمل ہوتا تھا، آپ ان حالات کا بھی جائزہ لیتے جو اسلام کی عظیم تحریک اور مسلمانوں کی اس مختصر جماعت کو اس وقت درپیش تھے۔ نئے نئے مسائل اور آنے والے مراحل کے لئے آپ ضروری ہدایات دیتے عید کے ایک اجتماع میں کسی نازک موقع پر آپ

نے جہاد کے لئے مال کی کمی کی شکایت فرمائی اور لوگوں کو انفاق کا حکم دیا تو مسلمان خواتین نے اپنے زیور اُتار اُتار کر دینے شروع کر دئے تھے۔

نماز عید اور خطبے سے فارغ ہونے کے بعد حضور گھر واپس ہوتے۔ اس بار آپ راستہ بدل دیتے اسی طرح مدینہ کے تمام مسلمان راستے بدل کر اپنے گھروں کا رخ کرتے۔ اس موقع پر مدینہ طیبہ کے کمسن بچے اور نوجوان ایسی تفریحوں اور کھیلوں میں حصہ لیتے جس میں کسی طرح کی اخلاقی قباحت نہ ہوتی تھی بلکہ نہایت سادگی سے عید مناتے اسی طرح چودہ سو سال پہلے آنحضرت صلعم کے گھر میں پیش آنے والی وہ بات جو آج تک امت مسلمہ کے ذہن وقلب پر نقش ہے جو عید ہی کے کسی مبارک دن پیش آئی تھی۔ آپ عید کی نماز سے فارغ ہو کر جب گھر پہنچے تو پڑوس کی دو کمسن بچیاں کوئی پاکیزہ گیت گا رہی تھیں۔ رسول اللہ چادر اوڑھ کر ایک طرف استراحت فرمانے لگے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق گھر میں داخل ہوئے، لڑکیوں کو گاتا ہوا دیکھ کر ناراض ہونے لگے اور حضرت عائشہؓ کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی آواز سنکر حضور نے اپنے رُخ انور سے چادر ہٹائی اور فرمایا

"انہیں چھوڑ دو، ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے"۔

اس بات سے اس معاشرے کی پاکیزگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، جو مدینے میں پروان چڑھ رہا تھا اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ رسول اللہ کس طرح عید مناتے تھے۔

عید کی اصل زینت بھی ہے، اس لئے اچھا لباس پہننا اور خوشبو لگانا، دن بجانا اور راستے کا بدلنا اور عیدگاہ میں جانا مستحب ہے۔ نماز کے بعد خطبہ لازمی ہے اس میں اللہ سے ڈرنے کے حکم کے ساتھ ساتھ وعظ اور پند و نصائح کئے جائیں۔ عید الفطر میں ایک خاص بات یہ ہے کہ کچھ کھا پی کر نماز کو نکلے اور نماز کو جانے سے پہلے ہی صدقۂ فطر ادا کر دیا جائے تاکہ ایسے دن میں مساکین کو بھی غنا حاصل ہو جائے اور وہ بھی فراغت قلب کے ساتھ نماز میں شریک ہوں تاکہ ماہ رمضان کے گذرنے پر جو اس کی تعظیم مراد ہے اس وقت عادت روزہ کے خلاف پایا جائے۔

لیکن آج کل ہمارے عوام عید کی اہمیت کو نہیں سمجھے انکے نزدیک زمانہ جاہلیت کے عربوں کے عکاظ اور ذو المجاز کی میلوں کی طرح یہ بھی ایک خوشی کا دن ہے بلکہ اس کو دھوم دھام سے منانا ہی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ اس دن کی خوشی کو پورا کرنے کے لئے ہر مسلمان اپنی کمائی کا زیادہ حصہ زیور صرف کرتا ہے۔

عید الفطر

منانا اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے

دنیا کی ہر قوم کے لوگوں کے لئے کوئی نہ کوئی دن ایسا مقرر ہوتا ہے جس میں وہ ہر سال جمع ہوکر خوشی مناتے ہیں۔ اس روز وہ خوب آراستہ ہوکر اور عمدہ لباس پہن کر اپنے گھروں سے نکلتے ہیں اور شہر کے باہر یا کسی مخصوص جگہ جمع ہوکر اپنے رسم و رواج کے مطابق خوشیوں میں مصروف ہوتے ہیں اس قسم کی تقریبات کا آغاز اس وقت سے ہوا جب انسانی تہذیب و تمدن کا ارتقا ہوا۔ پانچ چھ ہزار قبل مسیح میں دنیا کے مختلف حصوں میں آباد ہونے والی قدیم اقوام میں اس قسم کے تہوار ملتے ہیں۔ قدیم مصری، بابلی، سیری، فینقی، حطی، ایلامی، چینی اور بحیرہ روم کے علاقوں میں آباد ہونے والی اقوام میں بھی یہ چیز ملتی ہے۔

وادئ نیل کے قدیم باشندوں نے ہر سال پانچ روز قومی تعطیل کے لئے رکھ چھوڑے تھے۔ یہ ایام قمری حساب کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ وہ ان دنوں کام کاج نہیں کرتے تھے۔ بلکہ مختلف کھیل تماشے کرتے تھے۔ ان دنوں کے علاوہ سال میں ایک مخصوص دن دریائے نیل کے کنارے جمع ہوتے۔ اس دن ان کا مذہبی تہوار ہوتا تھا اور وہ اپنے دیوتا "خامن رع" کی خوشی کے سلسلے میں مختلف تقریبات کا مظاہرہ کرتے تھے۔ قدیم سیری اور بابلی لوگوں میں اس قسم کے دنوں کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کی یاد میں چند مخصوص دنوں میں تقریبات کرتے تھے۔ وہ اپنی عبادت گاہوں میں جمع ہوکر اپنے دیوتاؤں کو نذرانے پیش کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے جس روز اپنی قوم کے عبادت کدہ میں داخل ہوکر ان کے بت توڑے تھے یہ ان کے تہوار کا دن تھا۔ انکے تمام باشندے اپنے شہر سے باہر چلے گئے تھے۔ میسوپوٹیما کے شمالی حصے نینوی کی رہنے والی آشوری قوم اپنے دیوتا آشور کی یاد میں سال میں ایک مخصوص دن مناتی تھی۔ یہودیوں نے بھی سال میں ایک دن کو اپنے جشن اور مسرتوں کے لئے وقف کر دیا تھا اور یہ وہ دن تھا جب حضرت موسیٰؑ نے انہیں فرعون مصر کے پنجۂ استبداد سے نجات دلاکر آزادی سے ہمکنار کیا تھا۔ ایرانیوں کے ہاں سال میں دو روز جشن منایا جاتا تھا۔ مجوسیوں کے یہاں زرتشت کا یوم پیدائش بڑا متبرک ہے اور عیسائیوں کے یہاں حضرت عیسیٰؑ کا یوم ولادت مسرت اور خوشیوں کا دن سمجھا جاتا ہے۔

دنیا کی بعض اقوام اور ملتوں کے نزدیک اکثر ایام کسی خاص واقعے کے پیش نظر بھی منائے جاتے ہیں جس سے ان کی قومی، سیاسی، معاشرتی اور ذہنی یادگاریں وابستہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل کا فرعون کے پنجۂ استبداد سے نکلنے پر یوم نجات اور یمن کے حکمراں ابرہہ بن الاشرم کا مکہ معظمہ پر حملہ اور ابابیلوں کے ہاتھوں اس کے لشکر کی عبرتناک شکست پر یوم فیل کا انعقاد ہوا۔ حتیٰ کہ یہ واقعہ اسلام سے پہلے اسقدر مشہور ہوا کہ عرب میں اس کا مشہور واقعات میں شمار ہونے لگا۔ نیز کسی قوم کا دشمن پر فتح پانے کے سلسلے میں خاص جشن کے ایک مرتبہ انعقاد کی صورت میں ہر سال اسی روز جشن کرانا اس کی یاد تازہ کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ ان دنوں میں بعض سے مذہبی یادیں وابستہ ہوتی ہیں اور بعض کا تعلق قومی تہوار ہے جیسے موجودہ دور میں استعماری قوتوں سے اگر کوئی ملک جس روز آزاد ہوجاتا ہے تو اسی روز ہر سال تقریبات منائی جاتی ہیں اور اس کی حیثیت قومی دن کی ہوجاتی ہے۔

اسلام سے پہلے اہل عرب بھی سال کے چند مخصوص ایام میں اس قسم کی تقریبات منعقد کرتے تھے۔ مکہ معظمہ میں ذی القعدہ کا چاند طلوع ہوتے ہی جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حصوں یمن، عدن، حضرموت، مہرہ، عمان، بحرین اور شمالی عرب سے عرب سانڈنی سواروں کا ایک طوفان امڈ پڑتا جو ہر سال عکاظ کے میلے میں شرکت کے لئے آتے تھے۔ یہ میلہ مکہ سے چند میل کے فاصلے پر لگتا تھا۔ اور جس میدان میں یہ میلہ لگتا تھا وہاں عرب قبائل خیمے گاڑ دیتے تھے اس کا ایک حصہ تجارت کے لئے مخصوص کر دیا جاتا تھا۔ میلے کی دکانوں میں مختلف قسم کی مصنوعات بکثرت ہوتیں جو شام، مصر، حمیرہ، ایران، حبش اور جنوبی ہند و چین سے لائی جاتی تھیں۔ ان دکانوں کے قریب عیش و طرب کے اڈے ہوتے جہاں دن کو عموماً اور رات کو خصوصاً نوجوانوں کی ایک بھیڑ لگی رہتی۔ ان محفلوں میں فتنۂ روزگار خواتین بھی بے تکلف شریک ہوتیں، رات کے رومانی اندھیروں میں بساط طرب بچھائی جاتی، اور عرب کے منچلے جام و ساغر سے کھیلنے لگتے۔ نشے کی ترنگ اور مہر کے ساتھ ساتھ زبان کی باگیں بھی ڈھیلی چھوڑ دی جاتیں اور ہر طرف فقرے بازی، چھیڑ چھاڑ اور دھینگا مشتی کا بازار گرم ہوجاتا اور یہ سلسلہ اکثر و بیشتر ان لڑائیوں پر جاکے ختم ہوتا تھا جن کی آگ برسوں تک سلگتی رہتی تھی۔ میلے میں عرب کے شعراء اپنے قصائد بھی سناتے تھے، اس قسم کی تقریبات نہ صرف عکاظ کے میلے میں ہوتیں بلکہ عرب میں ۲۲ مقامات پر اس قسم کے میلے ہوا کرتے تھے۔ ذوالمجاز، ذی قار، بدر، عکاظ اور دومۃ الجندل کے میلے بہت مشہور ہیں۔

اسلام کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یثرب تشریف لائے تو آپؐ نے وہاں کے رہنے والوں اوس اور خزرج کو دیکھا کہ ان لوگوں نے بھی سال میں دو روز ایسے مقرر کر رکھے ہیں جن میں وہ کھیل کود کرتے ہیں اور مسرتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ آپؐ نے ان سے پوچھا کہ یہ دو روز کیسے ہیں۔؟

انہوں نے عرض کیا کہ یہ دو روز ایسے ہیں جن میں اسلام سے پہلے ہم لہو و لعب کیا کرتے تھے اور ان کی یاد میں ہم یہ دن مناتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو انکے بدلے ان سے بہتر دو روز عطا فرمائے ہیں، ایک یوم الفطر اور دوسرا یوم الاضحیٰ۔

اکثر مفسرین اور صاحب السیر رقم طراز ہیں کہ وہ دو روز، نوروز اور مہرجان کے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے بدلے یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ عطا کئے۔ اس لئے کہ ان لوگوں میں کوئی دن خوشی کا نہ تھا، مگر اس کے پائے جانے کا سبب شعار دین کی تعظیم یا ائمہ مذہب کی موافقت یا اس قسم کی کوئی بات ہوتی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا خدشہ ہوا کہ اگر آپؐ ان کو اسی عادت پر چھوڑ دیتے تو شعار جاہلیت کی تعظیم فروغ پاجاتی اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اپنے اسلاف کے اس طریقۂ کار کو فروغ دیتے، جس کو مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ان ایام کی مسرتوں کو دوسرے دنوں کے ساتھ بدل دیا تاکہ ان میں ملت اسلامیہ کے شعائر کی تعظیم و تکریم مکمل طور پر پائی جائے اور ——— ان دنوں میں مسرتوں اور خوشیوں کے ساتھ ساتھ ذکر الٰہی اور ابواب بندگی کو بھی ضم کر دیا تاکہ مسلمانوں

(بقیہ ص ۹)

جشنِ نشاط

عید آئی ہر طرف خوشیوں کے پیمانے چلے
اہل دانش میں بھی سرمستی کے افسانے چلے
بے خودی کے، خانۂ عرفاں سے نذرانے چلے
ہوش کے بدلے میں لیکر جوش فرزانے چلے
پھر جمی ہے ہر گلی کوچے میں بزم انبساط
پھر وہی زندہ دلی ہے پھر وہی بزم نشاط
سب کے چہرے ہیں منور، سب کے دل ہیں شادکام
عید نے سب کو دیا ہے عیش و عشرت کا پیام
کر رہے ہیں سب بقدر استطاعت اہتمام
ہر طرف ہیں قہقہے ہر سمت ہے اک دھوم دھام
آج دنیا بھول کر رنج و الم ہے شادماں
زندگی بھی عشرتوں کے ساز پر ہے نغمہ خواں
جس طرف دیکھو مسرت کے ترانے ہیں رواں
کلفتوں کا مٹ گیا ہے دہر سے نام و نشاں
خلوت و جلوت میں ہیں بکھری ہوئی رعنائیاں
رقص کرتی ہیں امنگیں آرزوئیں ہیں جواں
ذہن و دل پر چھا گیا ہے عیش و عشرت کا فسوں
پائی ہے بزم طرب میں عقل نے جائے سکوں
صحن عالم رقص گاہ خواہشات دل ہے آج
ساری دنیا انبساط و عیش کی قائل ہے آج
رونقِ جشن طرب میں زیست کا حاصل ہے آج
لوگ کہتے ہیں خیال رنج و غم باطل ہے آج
سب کے ہونٹوں پر چمکتی ہے تبسم کی کرن
سب کے دل میں آج ہے شمع مسرت ضوفگن

● ——— اختر بستوی

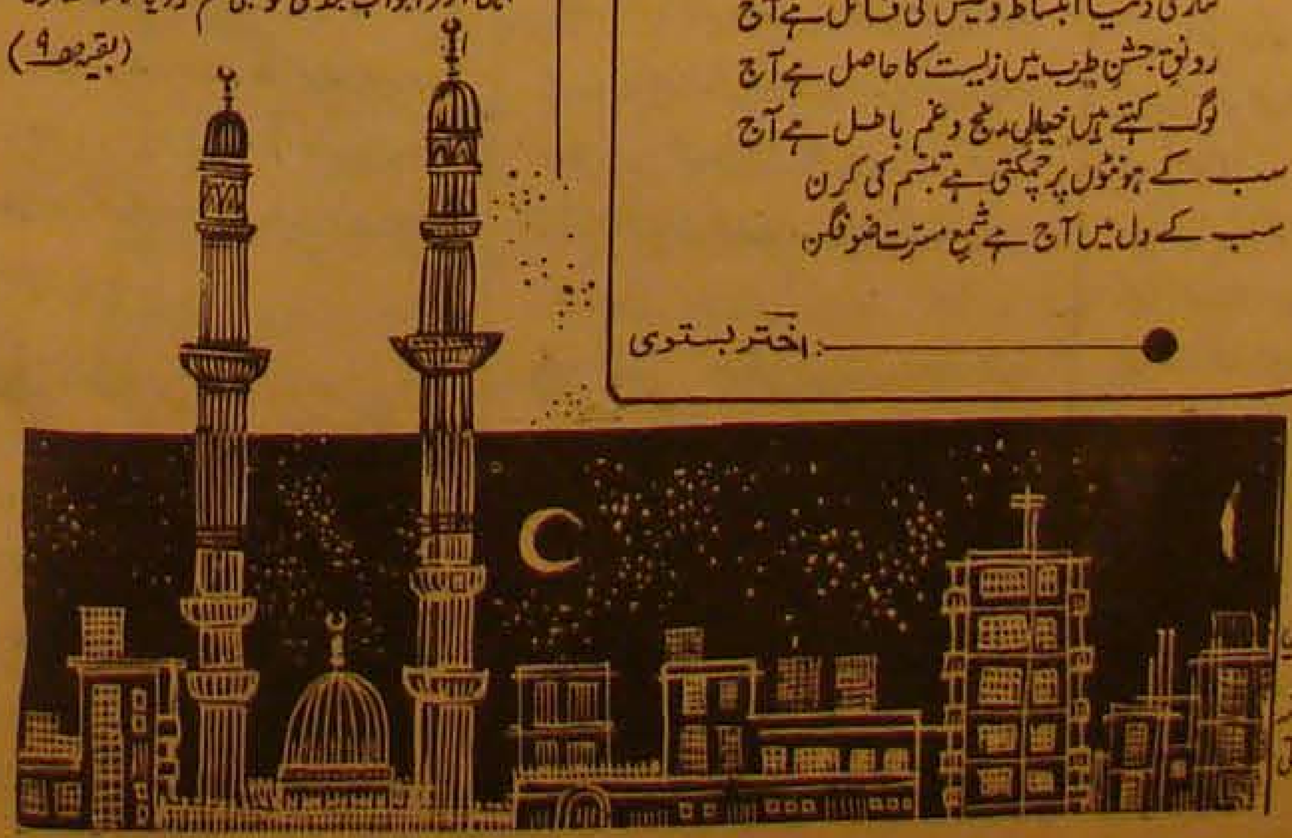

پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس

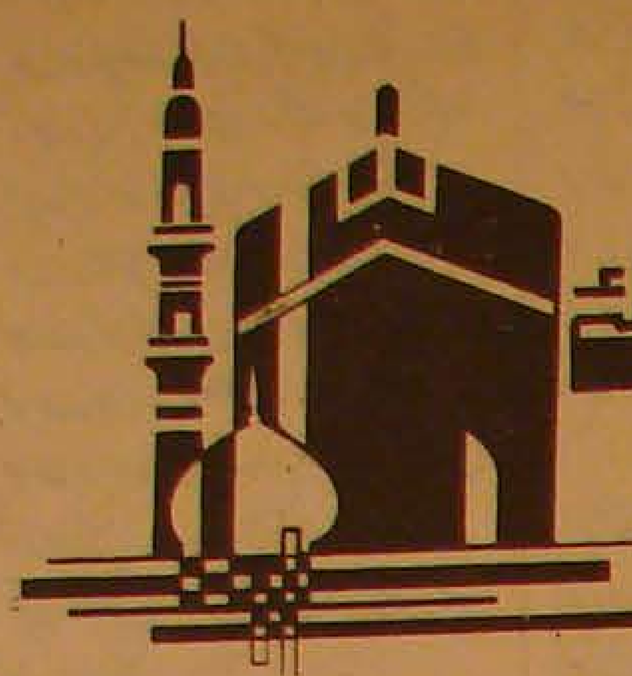

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

مکمل روئداد

رابطہ عالم اسلامی نے بضرورت محسوس کی کہ دنیا کے مختلف ممالک میں کام کرنیوالی تمام اسلامی تحریکوں اور اسلامی دانشوروں کو یکجا کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ اس سلسلے میں متعدد کانفرنسیں اس کے زیر اہتمام منعقد ہوچکی ہیں اور اب ایشیائی ملکوں کی پہلی اسلامی کانفرنس طے ہونا قرار پائی۔ اس کانفرنس کے پیش نظر جو مقاصد تھے، وہ رابطہ ہی کے مطابق یوں ہیں:۔

- ایشیائی ملکوں کے مسلمانوں میں اتحاد، مساوات اور اخوت جیسی اسلام کی بنیادی اقدار کو پروان چڑھانا۔
- ایشیائی ملکوں کے مسلمانوں کے مسائل کے حل کے طریقے دریافت کرنا۔
- مسجد اقصیٰ اور مسجد ابراہیمی جیسے مقامات مقدسہ کی بازیابی کے لئے جد و جہد کرنا۔
- اسلامی معاشرے میں ذہنی بیداری کے لئے مساجد کے مرتبہ اور وظائف کو بحال کرنا۔
- دور دراز علاقوں خصوصاً براعظم افریقہ میں جہاں ابھی تک تہذیب کی روشنی نہیں پہنچی، وسیع پیمانے پر تبلیغی تحریکیں منظم کرنا۔
- غیر اسلامی ملکوں میں مسلمان اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کرنا تاکہ ان کے لئے اپنے آبائی ملکوں میں پُر امن اور باعزت زندگی یقینی بنائی جاسکے۔
- ایشیائی ملکوں کے مسلم نوجوانوں کے کردار کی تعمیر کے لئے قرآن و سنت کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کو مقبول بنانا۔
- پورے عالم اسلام میں نفاذ شریعت کے طریقے اختیار کرنا۔
- ایشیا کے مسلمانوں کے مابین موثر اور مضبوط رابطے کے لئے عربی زبان کو فروغ دینا۔

رابطے نے فیصلہ کیا کہ یہ کانفرنس کراچی میں منعقد کی جائے۔ شروع میں خیال تھا کہ اس کا جملہ انتظام رابطہ ہی کے سپرد ہوگا لیکن موجودہ حکومت پاکستان نے یہ مستحسن فیصلہ کیا کہ حکومت پاکستان اس کانفرنس کی میزبان ہوگی اور اس کے اخراجات بھی وہی برداشت کرے گی۔ اس سلسلے میں اے کے بروہی حکومت کی طرف سے نگراں تھے۔ اور ایک پریس کانفرنس میں انہوں نے کہا تھا کہ حکومت پاکستان کے لئے اس کانفرنس کی میزبانی حاصل کرنا ایک فخر ہے۔ کانفرنس کے انعقاد کے لئے ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل اور حبیب بنک پلازا کی عمارتیں منتخب کی گئی تھیں۔

اس کانفرنس میں ایشیا بھر کے ۳۰ ممالک کے ۲ سو مندوبین مدعو کئے گئے تھے۔ ان تمام مندوبین کی رہائش کے لئے ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں انتظام تھا۔

۳ر جولائی ہی سے مندوبین کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ جو مندوبین ۳ر جولائی کو کراچی پہنچے ان میں رابطۃ العالم الاسلامی کے جنرل سکریٹری شیخ المعالی محمد علی الحرکان، ڈپٹی سکریٹری جنرل ڈاکٹر محمد صفوت اور رابطہ کے عملے کے اٹھارہ دیگر افراد، امام کعبہ شیخ محمد عبد اللہ ابن سبیل، موتمر عالم اسلامی کے صدر اور مشہور اسلامی دانشور ڈاکٹر معروف الدوالیبی، اسسٹنٹ سکریٹری، مسٹر حیدر الحسینی کے علاوہ امریکہ کی فیڈریشن آف اسلامک ایسوسی ایشن کے صدر مسٹر داؤد اسعد اور فجی جزائر سے ایم۔ ایس کے شیروانی شامل تھے۔ ہر جولائی تک ۵۰ مندوبین کراچی پہنچ چکے تھے۔ اور ان کی آمد کے ساتھ ساتھ خیر مقدم کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

کانفرنس میں جو مندوبین مدعو کئے گئے تھے ان کے نام یہ ہیں:۔

پاکستان سے امیر جماعت اسلامی پاکستان میاں طفیل محمد، پروفیسر خورشید احمد امیر جماعت اسلامی آزاد کشمیر مولانا عبد الباری، اسلامی نظریاتی کونسل کے چیرمین جسٹس افضل چیمہ، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، حکیم محمد سعید، خالد ایم اسحق، مولانا سید وصی مظہر ندوی، مولانا ظفر احمد انصاری، مولانا صدر الدین (راولپنڈی) پاکستان سے مدعو کئے جانے والے حضرات کی تعداد ۳۵ تھی،

بھارت سے مولانا سید ابو الحسن علی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء) مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی (صدر مسلم مجلس مشاورت) مولانا قاری طیب صاحب (مہتمم دار العلوم دیوبند) مولانا اسعد مدنی (صدر جمعیۃ العلماء ہند) مولانا محمد منظور نعمانی، امیر جماعت اسلامی ہند مولانا محمد یوسف، اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کے ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ریڈینس کے اڈیٹر امین اللہ حسن رضوی، روزنامہ دعوت کے سید حسن، عربی پندرہ روزہ "الرائد" کے سید سلمان ندوی، عربی ماہنامہ "البعث الاسلامی" کے مدیر محمد الحسنی ندوی، "تعمیر حیات" ندوۃ العلماء کے مدیر اسحاق جلیس ندوی، جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ مقتدیٰ حسن محمد یامین، کالی کٹ کے ڈاکٹر پی۔ کے۔ عبد الغفور، سید عبد اللطیف سلفی، پروفیسر انور۔

بنگلہ دیش سے مولانا عبد الرحیم دجماعت اسلامی جہان نو کے اڈیٹر محمد حبیب الرحمن، پروفیسر یوسف علی، (اسلامک ڈیموکریٹک لیگ) مسٹر عبد الخالق، فلاح عام ٹرسٹ، روزنامہ سنگرام کے ایگزیکٹو ایڈیٹر محمد عبد الاسد، عبد الحسین، مولانا اے۔ کے۔ ایم صفات اللہ، محمد قمر الزماں، سجاد احمد، محمد شاہ جہاں خاں، محمد یونس،

افغانستان سے پروفیسر عبد الستار (براہ کرم) نیوزی لینڈ سے عباس احمد۔

بحرین سے شیخ عبد الرحمن علی ابراہیم، خطیب مسجد البدیع۔ شیخ محمد الصدیقی۔

آسٹریلیا سے ڈاکٹر محمد علی دانگ صدر آسٹریلین فیڈریشن آف اسلامک کونسل لمیٹیڈ۔

برونئی سے حاجی اسماعیل بن عمر عبد العزیز مفتی اسٹیٹ، حاجی عبد العزیز جنید۔

برما سے مسٹر محمد داؤد۔

قبرص سے ڈاکٹر رنات مصطفیٰ رفات

مصر سے شیخ محمد متولی اے شعراوی، مسٹر مصطفیٰ۔

فجی سے ایس ایم کے شیروانی سویا۔

ہانگ کانگ سے مسٹر ماحوک آدم ہارون، مسٹر کفایت اللہ رحمانی۔

انڈونیشیا سے ڈاکٹر ہارون، ملک احمد حاجی احمد سجانو، عبد الرزاق، مسٹر کمال الدین، محمد سعید، حاجی امین الدین، پروفیسر احمد صدالت، محمد داہوری، ڈاکٹر حمکا، شیخ امام سباکر احمد۔

جاپان سے حاجی عبد الکریم ساتو، احمد بھوکی سوزوکی، الحاج عبد الکریم۔

اردن سے محمد موسیٰ، عبد اللطیف، ڈاکٹر محمد ابو فارس یوسف المبیدین، محمد تیسیر گوجالے، ڈاکٹر ابو بکر جوجنگ،

کویت سے شیخ عبد اللہ علی المطوع، عبد الرحمن الولایتی، مسٹر عیسیٰ باجد الشاہین۔

لبنان سے محمد فتحی یکن، حبیب بدریکی، حیدر الحسنی، شیخ حسن خالد (مفتی لبنان) محمد بخاری شعبان، شیخ داری بن احمد۔

ملائشیا سے مفتی حاجی سعید حاجی ابراہیم، محمد نوادی بن محمد، عبد الرحمن الکبیر حاجی عبد القادر حسن، حاجی فتحی، حاجی زین الدین، حاجی یوسف عبد الجلیل حسن، حاجی دسوکی بن حاجی احمد داتو احمد نور الدین، محمد تقی الدین احمد،

نیپال سے عبد الرؤف رحمانی،

فلسطین سے یاسین الشریف القنح،

قطر سے شیخ عبد اللہ بن ابراہیم

سری لنکا سے محمد حنیف محمد، مولوی ایم عین، آدم مبارک، ایچ ایم امین مرزوق برہان

تھائی لینڈ سے علی عیسیٰ، الحاج عبد اللہ کریم، الحاج سمات صوماپہ سیک

ترکی سے احمد گرگن، صالح اوزجان عیسیٰ الپتیکن، شیخ یوسف،

متحدہ عرب امارات سے محمد عبد الرحیم البکر، شیخ محمد صالح الرئیس۔

سعودی عرب سے شیخ صالح عبد الرحمن، شیخ عبد المحسن ابن احمد العبد (مدینہ یونیورسٹی) ڈاکٹر عبد العزیز، عبد اللہ الاحمد الشیبانی، خالد احمد الملک اڈیٹر الجزیرہ، ابراہیم الدبیخ، عبد اللہ بن عبد الکریم اڈیٹر الدعوۃ، محمد ابراہیم عبد القادر، عبد الفتاح حنبل، محمد عبد اللہ (الیوم) شیخ محمد محمود، ڈاکٹر شریف بن الشریف، ڈاکٹر معروف الدوالیبی، شیخ محمد عبد اللہ ابن سبیل (امام کعبہ) ذکریا لال محمد ہندی ڈاکٹر شریف بن الشریف۔

رابطۃ العالم الاسلامی کے نمائندوں پر مشتمل بھی ایک وفد مدعو تھا۔ اس میں جنرل سکریٹری شیخ محمد صفوت السقا الامینی کے علاوہ ڈاکٹر عبد الفتاح منصور، یحییٰ، سے سعید، مسٹر محمود حنفا، عبد اللہ بامزاح، مسٹر عبد الخلیل پاشا، عبد اللہ الداری، سید حسین مطر، عبد العزیز بلدوانی، اعتزاز، فخر الدعلوی، احمد ابو حسین

عبد اللہ باسیف، اے رسول، اسحق الحمید الشریفی الطاہر الفضل محمود، عاصم الحداد، جہانگیر غلام نبی، طارق سعود شکری، ایم سالم بابکری، محمد عثمان عبد اللہ، عادل عبد العزیز محمد، ڈاکٹر عثمان محمد عبد الوہاب، جمال الدین عثمان، محمد عبد المجید رحوت شامل تھے۔ اسلامک کانفرنس کی تنظیم سے ظفر الاسلام اور حسن مجاج ممبر۔

ایشیائی ممالک کے علاوہ بھی کچھ مندوب مدعو تھے مثلاً ٹرینیڈاڈ سے محمد شفیق الرحمٰن، سکریٹری جنرل اسلامک کوارڈی نیشن کونسل آف ساؤتھ امریکین اینڈ کیریبین۔ امریکہ سے مسٹر داؤد اسد صدر فیڈریشن آف اسلامک ایسوسی ایشن امریکہ کناڈا اور روس سے مفتی ضیاء الدین باباخانوف۔

(مدعو کئے جانے والے مندوبین کی یہ فہرست مکمل نہیں ہے۔ اس میں بہت چند نام رہ گئے ہیں)۔

۶ جولائی:

کانفرنس کا افتتاحی اجلاس ۶ جولائی کو ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل میں منعقد ہوا۔ آغاز ۹ بجے ہونا تھا لیکن مندوبین آٹھ بجے ہی سے کانفرنس ہال میں پہنچ گئے، جہاں وہ باہمی تعارف اور ملاقاتوں میں لگ گئے تھے۔ کانفرنس ہال کو نہایت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ اور ارد گرد دیواروں پر خیر مقدمی نعروں پر مشتمل سبز بینر آویزاں تھے۔ اسٹیج پر تین کرسیاں رکھی ہوئی تھی۔ ایک پر رابطہ کے جنرل سکریٹری شیخ علی الحرکان فروکش تھے اور دوسری دو کرسیاں جنرل ضیاء الحق اور اے کے بروہی کے لئے تھیں، ہال کی اگلی صفوں میں مندوبین کے علاوہ گورنر سندھ اور کچھ وفاقی وزراء بھی بیٹھے تھے۔

جنرل ضیاء الحق نو بج کر پانچ منٹ پر ہال میں داخل ہوئے اور راہداری میں موجود مندوبین سے ہاتھ ملاتے اپنی نشست پر آ کر بیٹھ گئے۔ اسٹیج سکریٹری شیخ صفوت سقا الامینی جو رابطہ کے ڈپٹی سکریٹری جنرل بھی ہیں، نے کارروائی کے آغاز کا اعلان کیا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد اس افتتاحی سیشن میں درج ذیل تقاریر ہوئیں۔

- شیخ علی الحرکان کی تقریر
- اے کے بروہی کا خطبہ استقبالیہ
- جنرل ضیاء الحق کی تقریر۔
- اسلامی سکریٹریٹ کے ڈاکٹر احمد کریم گائے کا پیغام اور
- شیخ محمود الصواف کی تقریر

محمد علی الحرکان:

رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری شیخ محمد علی الحرکان نے عربی میں خطاب کیا۔ ابتدائی تمہید کے بعد انہوں نے کہا کہ یہ پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس براعظموں کی سطح پر منعقد شدہ متعدد کانفرنسوں کی ایک کڑی ہے۔ جو رابطہ کی دعوت پر افریقہ، شمالی امریکہ، جنوبی امریکہ، کیریبین اور آسٹریلیا میں منعقد ہو چکی ہیں اور اب اس کانفرنس کے ذریعے رابطے نے پورے ایشیا کا سلسلہ مکمل کر لیا ہے۔ ان کانفرنسوں کے انعقاد کا مقصد جد و جہد کو منظم کرنا ہے تاکہ ان تمام چیلنجوں کا مقابلہ کیا جا سکے جو کمیونزم، صیہونیت اور سامراج اور ان کی پروردہ قادیانیت، فری میسن وغیرہ تخریبی تحریکوں اور سرگرمیوں کی صورت میں درپیش ہیں۔

اس کانفرنس میں شرکائے کانفرنس قرآن کریم کی نشر و اشاعت اور تحفظ، عربی زبان کی نشر و اشاعت، ایشیا میں اسلامی تنظیموں کے درمیان تقسیم کار، دعوت اسلامی، پیغام مسجد، اسلامی تہذیب اور تعلیم، اسلامی ذرائع ابلاغ، تخریب پسند تحریکوں کا سد باب اور مسلم اقلیتوں کے مسائل پر تبادلہ خیال کریں گے۔

محمد علی الحرکان نے اپنے مختصر خطاب میں سعودی حکومت اور جنرل ضیاء الحق کو خراج تحسین پیش کیا اور پاکستانی قوم کے جذبہ اسلامی اور اسلام کے لئے اس کی قربانیوں کو بھی شاندار الفاظ میں توصیف کی۔ انہوں نے کہا جب چاروں طرف سازشوں کا جال بچھایا جا رہا تھا اور جب سعودی عرب نے مکہ سے اسلامی وحدت کی صدا بلند کی تو پاکستان پہلا ملک تھا جس نے اس پر لبیک کہا۔

اے۔کے بروہی:

اے۔کے بروہی نے اردو زبان میں خطاب کیا جو استقبالیہ خطبہ تھا۔ شروع میں انہوں نے شرکائے کانفرنس کو خوش آمدید کہا اور پھر اس بات پر رابطہ کا شکریہ ادا کیا کہ انکے تعاون سے یہ تاریخی کانفرنس پاکستان میں منعقد ہوئی۔

اے۔کے بروہی نے کانفرنس کے انعقاد کا مقصد بتاتے ہوئے کہا کہ اس کا اصل مقصد اتحاد بین المسلمین ہے۔ آج کے حالات کا تقاضا ہے کہ مسلمان دور جدید کے ہر چیلنج کے سامنے بنیان مرصوص بن کر ڈٹ جائیں اور ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کے تابع فرمان رہیں۔ یہ ملت اسلامیہ کے تشخص کا اہم نشان ہے۔

"عشق محمد مذہبی محبۃ ملتی
وطاعتہ منزلی"

لیکن افسوس کہ ہم اپنے اس ملی تشخص سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ نئی نسل اور عوام کو دین کی حقیقت اور اس کے تقاضوں سے روشناس کرایا جائے۔ اسلام کو جب تک زندگی میں وہ مقام حاصل نہیں ہوگا، جس کا وہ مستحق ہے۔ انسانی فلاح و ترقی کا ہر منصوبہ تشنۂ تکمیل رہے گا۔ غیر اسلامی دنیا ہمیں مسلمان تو سمجھتی ہے لیکن وہ ان عناصر سے بخوبی واقف نہیں ہے جو "مسلمان" کو تشکیل دینے میں کارفرما ہوتے ہیں۔ اسے ان عناصر سے باخبر کرنا ہمارا مطمح نظر ہے اور اس کانفرنس کے انعقاد کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے۔

اس کے بعد اے۔کے بروہی نے اسلامی دنیا کے باہمی اتحاد اور اخوت کے لئے عملی اقدام پر زور دیا اور پھر اپنے موضوع پر آگے بڑھتے ہوئے کہا کہ عقل سلیم وہی ہے جو نبوت کی رہنمائی میں آگے بڑھے۔ انہوں نے یورپ و امریکہ کی مادہ پرستی اور اخلاقی و تمدنی قیادت کی بربادی کا ذکر کیا اور کہا کہ یورپ کا یہ دعویٰ کہ وہ زندگی کی اعلیٰ قدروں کا محافظ و نگہبان ہے خود فریبی ہی نہیں بلکہ محض جھوٹ اور حیلہ سازی پر مبنی ہے۔

اے۔کے بروہی نے اس موقع پر یہ بھی کہا کہ دنیا کی بربادی کے پیچھے جو جذبہ کارفرما رہا ہے وہ جذبۂ حاکمیت کے تصور کا ہے جبکہ حاکمیت صرف خدا کے لئے ہے، یورپ کے اس مسخ شدہ فلسفے کی وجہ سے خدا کی جگہ انسان کو دے رکھی ہے جب کہ اسلام جو ایک مکمل ضابطۂ حیات اور مکمل دین ہے، زندگی کی تمام وسعتوں پر اللہ کی حاکمیت قائم کرنے کا دعوے دار ہے۔

اے۔کے بروہی صاحب نے اس سلسلۂ کلام کے آخر میں کہا کہ اس دور میں اگر کوئی مفید طلب تعلیم باقی ہے تو صرف اہل اسلام کے پاس۔ اور یہ مسلمانوں پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنے قول و فعل میں انفرادی اور اجتماعی طور پر اس طرح عمل پیرا ہوں کہ انعامات خداوندی کے مستحق قرار پائیں۔

آخر میں بروہی صاحب نے باہمی اتحاد و یکجہتی پر زور دیا اور کہا کہ رابطہ کی یہ کانفرنس اسی مقصد کو حاصل کرنے کی جانب ایک بڑا قدم ہے ؂

مکہ ہو اگر عالم مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

تقریر ختم کرنے ساتھ ہی بروہی صاحب نے جنرل ضیاء الحق کو دعوت خطاب دی تو مندوبین نے ان کے استقبال کے اظہار کے لئے پرجوش تالیاں بجائیں۔ اس موقع پر شیخ صفوت سقا الامینی نے اٹھ کر کہا کہ مناسب یہ ہے کہ تالیوں کے بجائے نعرۂ تکبیر بلند کیا جائے۔ اس کے بعد ہال میں پورے پروگرام کے دوران میں ایک مرتبہ بھی تالی نہیں بجی۔ اور اس کے بجائے ہال بار بار اللہ اکبر کے نعروں سے گونجتا رہا۔

جنرل ضیاء الحق:

جنرل ضیاء الحق تقریر کے لئے اٹھے تو اسٹیج پر موجود شیخ الحرکان نے بآواز بلند اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ جنرل صاحب نے اپنی تقریر اردو میں کی۔ ابتدا میں انہوں نے رابطہ کی سپریم کونسل کا شکریہ ادا کیا اور اس کی خدمات کا اعتراف کرنے کے بعد کہا۔

آپ کو شاید اس بات کا علم ہوگا کہ مغربی تہذیب کے زیر سایہ پلنے والے کئی نوجوان مسلمان اور بہت سے غیر مسلم یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر اسلام واقعی سرخرو کرنے والا مذہب ہے تو کیا وجہ ہے کہ آج اس دنیا میں مسلمان دوسروں کے محتاج ہیں اور اس کے اصولوں پر خود مسلمان کیوں عمل نہیں کرتے۔

سچی بات یہ ہے کہ ہمارے قول و فعل کا تضاد ہی ہماری پستی اور زبوں حالی کا ذمہ دار ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عمل میں ضعف تب پیدا ہوتا ہے جب تک عقیدے میں ضعف نہ ہو۔

جن نظریات سے خود اہل مغرب تنگ آ چکے ہیں۔ ان کی چمک دمک سے ہماری نئی نسلیں مرعوب ہو رہی ہیں اور اس میں قصور اہل مغرب یا نئی نسل کا نہیں، ہمارا ہے، کیونکہ ہم نے ان کو اپنے مذہب کی عظمت اور افادیت سے پوری طرح آگاہ نہیں کیا۔

ہم ان کے سامنے جو کچھ کہتے ہیں، کرتے ہیں، جو نسل اپنے بزرگوں کو کہتے کچھ اور کرتے کچھ دیکھے وہ اپنے بزرگوں پر اعتماد کھو بیٹھتی ہے۔ لہٰذا میں رابطہ کے ذریعے تمام مسلمانوں سے درخواست کروں گا کہ ہمیں اپنے سفر کی ابتدا اپنے گھروں سے کرنی چاہئے، اپنی نجی اور انفرادی زندگی میں اپنے فرائض کو پوری ایمانداری سے انجام دینا ہوگا۔ اور اپنے عمل کو اپنے نظریات کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔

جنرل ضیاء الحق نے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا کہ آج دنیا میں مسلمانوں کی کس قدر اہم پوزیشن ہے، وہ آزاد ہیں اور ان کے پاس دولت ہے۔ اگر یہ سب مسلمان مل کر ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے

ہوئے ایک ہی منزل کی طرف جمع ہو کر قدم اٹھائیں تو عالم اسلام کے متحد ہونے کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو جائے گا۔

جنرل صاحب نے کہا کہ عالم اسلام کا اتحاد کسی ملک کی خود مختاری اور سالمیت کے خلاف نہیں، ہم کسی کا حق چھیننا نہیں چاہتے لیکن یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی دوسرا ملک ہمارے علاقوں پر قبضہ کرے۔

جنرل ضیاء الحق نے اس موقع پر حکومت پاکستان کے فلسطین کے بارے میں موقف کا اعادہ کیا۔ پھر آگے بڑھتے ہوئے اتحاد عالم اسلامی کے بارہ میں اس بات پر بھی زور دیا کہ ہمیں اتحاد کی کوشش کے ساتھ ساتھ آج کے حالات کا غور سے جائزہ لینا ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ آئندہ کے تقاضوں کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا۔ اور اس سلسلے میں جدید علوم اور تحقیق کی طرف بڑھنا ہوگا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے جدید علوم اور تسخیر کائنات کی کوششوں پر بس ایک ہی شرط عائد ہے اور وہ یہ ہے کہ:

"علوم انسان کو اللہ کی رضا اور اس کے بندوں کی خوشدلی کے لئے حاصل کرنا چاہئیں"

ترقی کی دوڑ کے ساتھ ساتھ اسلامی اصولوں کی ترویج بھی اشد ضروری ہے تاکہ جب سائنس انسان کو نئے علوم سے مسلح کرے تو اسلام اسے ان کے صحیح اور مفید استعمال کی راہ دکھا سکے۔ اس پس منظر میں اسلامی اصولوں کا احیاء صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں ساری دنیا کے لئے از حد ضروری ہے۔

جنرل صاحب نے اپنی تقریر میں اس توقع کا اظہار کیا کہ کانفرنس میں پڑھے جانے والے مقالات نہ صرف موجودہ نسل کو فکری رہنمائی بہم پہنچائیں گے بلکہ آج کے عالم اسلام کو درپیش مسائل کا حل تلاش کرنے میں بھی مدد دیں گے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام اسلامی ممالک کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے اور ان میں باہمی تعاون کو فروغ دینے کے لیے قابل عمل تجاویز پر غور کیا جائے۔

آخر میں انہوں نے رابطہ کو اس کانفرنس کے منعقد کرنے پر مبارکباد دی اور اتحاد عالم اسلامی زندہ باد کے نعروں کے ساتھ اپنی تقریر ختم کر دی۔ تقریر کے بعد جنرل صاحب امام کعبہ کو تعظیم دیتے ہوئے اپنی نشست پر واپس چلے گئے۔

ڈاکٹر احمد کریم گائے کا پیغام:

ڈاکٹر احمد کریم گائے اسلامی کانفرنس کی تنظیم (اسلامک کانفرنس آرگنائزیشن) کے سکریٹری ہیں۔ انہوں نے ایشیا اسلامی کانفرنس کے لئے ایک پیغام ارسال کیا تھا جو کانفرنس کی اسی نشست میں کانفرنس کے ڈپٹی سکریٹری مسٹر ظفر الاسلام نے پڑھ کر سنایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس پیغام میں کانفرنس کے انعقاد کا خیر مقدم اور پاکستان میں اسلامی اقدار سے گہری وابستگی کے مظاہرہ کے سلسلے میں اسلامی سکریٹریٹ کی طرف سے تشکر اور تعریف کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان کو اسلامی اقدار سے جو گہری وابستگی رہی ہے اور اس ملک نے مسلم اتحاد کے موقف کو تقویت پہنچانے کے لئے جو قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اس کے پیش نظر اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے عہدیداروں کو اس بات کی خوشی ہے کہ پاکستان کے بڑے شہر کراچی کو ایشیائی اسلامی کانفرنس کے انعقاد کے لیے منتخب کیا گیا۔ اس کانفرنس کا انعقاد ایک تاریخی موقع ہے کیونکہ اس سے ساری دنیا کے مسلمانوں کی نصف سے زیادہ آبادی کے نمائندوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کا موقع ملا ہے ۱۹۷۳ء میں لیبیا میں منعقد ہونے والی اسلامی ملکوں کے وزراء خارجہ کی کانفرنس میں پہلی بار اس قسم کے علاقائی کانفرنسوں کے انعقاد کی اہمیت واضح کی گئی۔ جس کے بعد اسلامی کانفرنس کی تنظیم اور رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام اس قسم کی متعدد علاقائی کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ یہ بات خوشی کی موجب ہے کہ رابطہ کے زیر اہتمام ہونے والی ایشیائی اسلامی کانفرنس کے مقاصد اسلامی کانفرنس کے علاوہ اسلامی استحکام فنڈ کے مقاصد سے بھی ملتے جلتے ہیں جو لاہور میں منعقد ہونے والی اسلامی سربراہ کانفرنس میں قائم کیا گیا تھا۔ ان مقاصد سے عالم اسلام کے اتحاد، اسلام کے موقف، اسلامی ثقافت اور اقدار اور اسلامی یونیورسٹیوں کی ترقی میں مدد ملے گی۔

پیغام کے آخر میں ڈاکٹر گائے نے بتایا تھا کہ اسلامی سکریٹریٹ نے پندرہویں صدی ہجری کے آغاز پر تقریبات منعقد کرنے کا بھی منصوبہ بنایا ہے۔ ان تقریبات سے مسلمانوں میں اپنی تاریخ اور اپنے شاندار مستقبل کے بارے میں احساس پیدا ہوگا حالیہ ماضی سے قطع نظر تاریخ کا آئندہ مرحلہ ایک زندہ، فعال اور ترقی کرتے ہوئے تمدن کی حیثیت سے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا دور ثابت ہوگا، پندرہویں صدی کے آغاز کے سلسلہ میں منعقد ہونے والی تقریبات سے ساری دنیا میں اسلام کے پیغام کو پھیلانے میں مدد ملے گی۔ اور دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں اسلام کے براہ راست اور بامقصد مطالعہ کے سلسلے میں لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ ان تقریبات کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں تمام ملکوں کے مسلمانوں کو حصہ لینے کا موقع ملے گا جس سے ان میں یکجہتی کا احساس بڑھے گا۔ یہ تقریبات، یہ اسلام کی خدمات کا جذبہ رکھنے والے مشاہیر، طلباء، محققین اور ناشرین کے لئے ایک خاص موقع ثابت ہوں گی۔

پیغام میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ ۲۴ سے ۲۸ جولائی تک لندن میں مسلمان اقلیتوں کے موضوع پر ایک مجلس مذاکرہ یورپی اسلامی کانفرنس کے زیر اہتمام منعقد ہو رہی ہے۔

شیخ محمود الصواف:

آخری تقریر سعودی عرب کے مندوب شیخ محمد محمود الصواف کی تھی۔

یہ تقریر انہوں نے کانفرنس میں مندوب کے نمائندے کی حیثیت سے کی تھی، انہوں نے عربی میں خطاب فرمایا اور اپنی مختصر تقریر میں پاکستان کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ پہلی کانفرنس کے مندوبین اس ملک میں آکر انتہائی فخر محسوس کرتے ہیں جس کی تخلیق اسلام کے نام پر ہوئی ہے اور جس کے عوام جہاد کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں، جب تک پاکستان میں اسلام باقی ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ ماضی میں یہ ملک مشکلات اور مصائب سے دوچار ہوا ہے لیکن خدا کی مہربانی سے اس نے ہر بحران سے کامیابی کے ساتھ چھٹکارا پایا۔ پاکستان اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ ہے اور اس کے جیالے بہادر بیٹے اسلام کے پرخلوص فرزند ہیں۔ میں عالم اسلام کی طرف سے پاکستان کے عوام سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد برقرار رکھیں۔ اور اسلامی پرچم تلے متحد ہو جائیں تاکہ پاکستان صحیح معنوں میں اسلام کا قلعہ ثابت ہو سکے۔

شیخ صواف کی تقریر کا انداز انتہائی پرجوش اور متاثر کن تھا۔ تقریر کے آخر میں انہوں نے کہا کہ وہ اردو میں تقریر کرنا چاہتے تھے لیکن ؂

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم

جب وہ تقریر ختم کر چکے تو جنرل ضیاء الحق اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے اور شیخ صاحب کو داد تحسین دی۔

سیرۃ النبی پر مضمون نویسی کے نتائج:

شیخ صفوت السقا الامینی نے افتتاحی اجلاس کے آخر میں گذشتہ سال پاکستان میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی سیرت کانگریس میں سیرت نبوی پر مضمون نویسی کے مقابلے کے نتائج کا اعلان کیا۔ اس مقابلے میں ۴۲۸ مضامین موصول ہوئے تھے (۹۲ عربی میں، ۲۲۰ انگریزی میں اور باقی الگ زبانوں میں)۔ نتائج کے مطابق جامعہ سلفیہ بنارس کے حفیظ الرحمٰن اول، جامعہ ملیہ دہلی کے ماجد علی خاں دوئم، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر وائس چانسلر بہاولپور سوئم، مصر کے مسٹر حامد محمود منصور چہارم اور سعودی عرب کے ڈاکٹر اسلام باشر پنجم آئے۔

کمیٹیاں:

کانفرنس کا یہ افتتاحی اجلاس کم و بیش دو گھنٹے تک جاری رہا۔ کانفرنس کے بعد عالم اسلام سے متعلق مسائل پر غور و خوض کرنے اور اپنی سفارشات پیش کرنے کی غرض سے تشکیل دی جانے والی کمیٹیوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ ان کمیٹیوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پہلی کمیٹی: تبلیغ شریعت، مساجد، حج اور قرآن کی نشر
دوسری کمیٹی: عربی زبان کی ترویج و ترقی، تدریس و تربیت۔
تیسری کمیٹی: ذرائع ابلاغ کا صحیح استعمال۔
چوتھی کمیٹی: نوجوان نسل کے حالات، ثقافت اور تعلیم سے متعلق امور۔
پانچویں کمیٹی: مسلم اقلیتوں کو درپیش مسائل اور ان کی مشکلات کا تدارک۔
چھٹی کمیٹی: صیہونیت اور اسلام کے خلاف مسموم فضا ختم کرنے کی کوشش میں ربط اور ہم آہنگی اور تنظیم کے اسباب پیدا کرنا۔

ان کمیٹیوں کے اجلاس شام تک جاری رہے۔ اس سے قبل کانفرنس کے مندوبین نے پاکستان کے اے کے بروہی کو کانفرنس کا صدر منتخب کیا تھا جس کے بعد انہوں نے اجلاس کی صدارت کی۔ ان کے علاوہ بھارت کے مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، انڈونیشیا کے پروفیسر ڈاکٹر رشیدی اور ملیشیا کے سوروبیشیا ترنگ کے سرابوبکر نائب صدر منتخب ہوئے۔

شام کو کانفرنس کے مندوبین قومی عجائب گھر تشریف لے گئے جہاں قرآن کے نادر نسخوں اور مخطوطات کی نمائش ہو رہی تھی۔ اس کا اہتمام وزارت مذہبی امور اور وزارت ثقافت و سیاحت نے مشترکہ طور پر کیا تھا۔ نمائش کا افتتاح گورنر سندھ نے کیا تھا۔ اس نمائش میں اسلام کے مختلف ادوار میں

مختلف خطوں میں لکھے گئے قرآن حکیم نسخے شامل تھے، نیز بعض دیگر کتب بھی شامل نمائش تھیں۔

عشائیہ:

رات کو مندوبین اسلامی کانفرنس گورنر ہاؤس کے عشائیے میں مدعو تھے۔ یہ عشائیہ جنرل ضیاء الحق کی طرف سے دیا گیا تھا۔ مندوبین کے علاوہ اس کانفرنس میں شہر کی ممتاز شخصیات گورنر سندھ اور بعض وزراء بھی شریک تھے۔

گورنر ہاؤس میں اس موقع پر خصوصی سجاوٹ کی گئی تھی۔ یہ ضیافت عام طور پر کی جانے والی سرکاری ضیافتوں کی نسبت بہت سادہ تھی۔

عشائیہ میں شریک مندوبین و حضرات نے کھانے سے قبل نماز ادا کی جس کی امامت امام کعبہ نے کی تھی۔

عشائیہ کے ساتھ ہی اسلامی کانفرنس کے اس پہلے روز کا اختتام ہوا، کمیٹیوں کے اجلاس جو رات گئے تک جاری تھے، کل بھی جاری رہنے تھے۔

۷ رجولائی:

اسلامی کانفرنس کے دوسرے روز کی کارروائی ان چھ کمیٹیوں کے اجلاسوں پر مشتمل تھی جو گذشتہ روز افتتاحی اجلاس میں تشکیل دی گئی تھیں، کل بھی یہ کمیٹیاں اپنا اجلاس منعقد کرتی رہیں۔ اور آج ان کے اجلاس حبیب بنک پلازا میں منعقد ہوتے رہے۔ شام تک ان کمیٹیوں نے اپنی سفارشات کو مکمل کر لیا تھا۔

اقلیات کی کمیٹی میں بنگلہ دیشی وفد نے برمی مسلمانوں کے مسئلے کو اٹھایا۔ اسی کمیٹی نے فلپائن کے مجاہدین آزادی (مورو لبریشن فرنٹ) کے وفد نے فلپائنی مسلمانوں پر ظلم و تشدد کا معاملہ پیش کیا۔

مورو لبریشن فرنٹ کے مندوب مسٹر باقی نے جنوبی فلپائن کے جزائر میں مسلمانوں پر کئے جانے والے مظالم کی تفصیلات معلوم کرنے کے بعد کانفرنس نے اس سلسلے میں یہ فیصلہ کیا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں سے ان ڈھائی لاکھ برمی مسلمانوں کی مالی امداد اور اخلاقی امداد کی اپیل بھی کی جائے جو ارکان سے نکالے گئے ہیں اور اب بنگلہ دیش میں مہاجرین کے طور پر زندگی گذار رہے ہیں۔

یہ لوگ شدید ظلم کا شکار ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ کی جانے والی کارروائی قتل عام کے مترادف ہے اور یہ لوگ انسانی ہمدردی کے مستحق ہیں۔

مندوبین کانفرنس نے یہ بھی محسوس کیا کہ فلپائن کے مسلمان بھی مقدس جدوجہد میں مصروف ہیں اس لئے وہ سارے عالم اسلام کی ہمدردی کے مستحق ہیں۔ کانفرنس فلپائن کے مسلمانوں کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کے بارے میں بھی متفق ہوگئی۔

ایک دوسری کمیٹی نے اپنے اجلاس میں تبلیغ اسلام کے بارے میں غور و خوض کیا۔ ان تجاویز میں ایک تجویز براڈکاسٹنگ اسٹیشن قائم کرنے کے بارے میں تھی۔

کانفرنس میں جن دیگر امور کو زیر بحث لایا گیا ان میں قرآن کے پیغام کی ترویج، شریعت کے نفاذ اور اسلامی اقدار شامل ہیں۔

حج کے بارے میں طے ہوا کہ اس کے ادائے کو سہل کیا جائے اور اس ضمن میں رابطہ رابطہ تمام مسلم ممالک کو ہر قسم کی سہولت فراہم کرے گا۔ اسلامی تعلیمات کی تبلیغ اور اس ضمن میں اماموں اور مبلغین کی تربیت، اور مسجد اقصیٰ کی بحالی اور اسرائیلی مقبوضات میں مسلمانوں کی صورت حال پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا۔

اس کے علاوہ آج کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ایشیا کے لئے ۱۲ رکنی رابطہ کونسل کا قیام عمل میں لایا جائے۔ یہ کونسل رابطہ عالم اسلامی کے مقاصد کے حصول کے لئے کام کرے گی۔ نیز یہ فیصلہ بھی ہوا کہ رابطہ عالم اسلامی ہر پانچ سال بعد دنیا بھر کے مندوبین پر مشتمل عمومی اسلامی کانفرنس اور ہر تین سال بعد علاقائی کانفرنس بلایا کرے گی۔

آج کے اجلاس میں کمیٹیوں نے جو کام مکمل کیا اور جو قراردادیں تیار کیں ان کو کل کے آخری اجلاس میں پیش کیا جائے گا۔

کمیٹیوں کے اجلاسوں کے علاوہ آج کے دو پروگرام اور تھے ایک نماز جمعہ کا جس میں کراچی کے لاکھوں شہریوں نے شرکت کی اور امام کعبہ نے خطبہ دیا، اور دوسرا عشائیہ جو اسلامی ایشیائی کانفرنس کے مندوبین کے اعزاز میں وفاقی ایوان ہائے صنعت و تجارت کی جانب سے دیا گیا تھا اور جس میں جنرل ضیاء الحق نے خطاب کیا۔

جمعہ:

نماز جمعہ کی تاریخی تقریب ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل کے نزدیک واقع شیرباد گارڈن میں ہوئی (اس باغ کا نام تبدیل کر کے باغ قائداعظم رکھ دیا گیا ہے) امام کعبہ کی امامت میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل کرنے اور ان کا خطبہ سننے کا شرف حاصل کرنے کے لئے کراچی کے لاکھوں فرزندان توحید ۱۰ بجے صبح ہی سے باغ کی طرف آنا شروع ہوگئے تھے۔ لوگوں کے باغ کی طرف آنے کا یہ منظر بڑا ایمان افروز تھا کچھ لوگ نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے آرہے تھے، کچھ کلمہ کا ورد کرتے ہوئے ایک بجے تک باغ میں لاکھوں لوگوں کا ہجوم ہو چکا تھا۔ پھر باغ کے دروازے بند کر دئے گئے، جس کی وجہ سے باہر سڑکوں پر بھی لوگوں نے صفیں بنالیں۔

عوام کی کثرت اور ان کے جذبۂ ایمانی کے اظہار کے اس منظر سے مندوبین بھی بے حد متاثر ہوئے۔

نماز جمعہ میں شرکت کے لئے آنے والے مندوبین اسلامی کانفرنس کے لئے چبوترے پر انتظام تھا۔ چبوترے کے پیچھے فوجی یونٹ تھے اور اس کے بعد شامیانوں کے نیچے عوام بادل صبح ہی سے کراچی کی فضاؤں پر چھائے ہوئے تھے اور کسی وقت بھی بوندا باندی شروع ہونے کا امکان تھا۔ لیکن اس کے باوجود ایک محتاط اندازے کے مطابق کم از کم پانچ لاکھ فرزندان توحید جمعہ کی اس نماز میں شریک ہوئے۔ جمعہ کی اس نماز میں جنرل ضیاء الحق بھی شریک ہوئے جب وہ اندر داخل ہوئے تو لوگوں نے اللہ اکبر کے نعرے بلند کئے۔ امام صاحب شیخ علی الحرکان کے ساتھ سوا ایک بجے پہنچے۔ ان کی آمد کے فوراً بعد دوسری اذان ہوئی جس کے بعد امام صاحب نے اپنے خطبہ کا آغاز کیا۔ انہوں نے طویل خطبہ دینے سے احتراز کیا۔ ابتدائی کلمات کے بعد انہوں نے تقویٰ اختیار کرنے اور عمل صالح کی تلقین کرنے کے فریضے کی اہمیت بیان کی اور اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، ان کی جدوجہد کا حوالہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے بعد ان کے صحابہ کرام نے دعوت حق کا فریضہ ادا کیا یہاں تک کہ بہت سے ممالک اور سلطنتیں ان کے قبضہ قدرت میں آگئیں لیکن یہ قبضہ صرف اس لئے تھا کہ کلمۃ اللہ کو سربلند کیا جائے۔

انہوں نے کہا اگر ہم میں سے کوئی فرد اپنی ذمہ داری محسوس کرے تو تمام حالات سدھر جائیں گے۔ آج اکثر ممالک کے احوال انتہائی افسوسناک ہیں کیونکہ وہ اس طریقے کے برعکس ہیں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام تھے اور اسلام کے خلاف منصوبوں کو اپنا رہے ہیں۔ لوگ خود کو اسلام سے منسوب کرتے ہیں مگر ان کا اسلام ان کو مغربی طرز زندگی، اشتراکی فلسفے، ترک صلوٰۃ، ذریب دہی، دروغ گوئی اور دیگر برے کاموں سے نہیں روکتا۔ "پس نہیں! قسم ہے تیرے رب کی وہ کبھی اس وقت ایمان لانے کا دعویٰ نہیں کر سکتے جب تک وہ تمہیں (رسول کریم) کو ان تمام تنازعات کا فیصل نہ بنائیں۔ جو ان کے درمیان اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور پھر وہ اس فیصلے پر جو تونے کیا اپنے دل میں کوئی ملال بھی نہیں پاتے۔ اور وہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور وہ نہیں حکم دیتے سوائے اس کے کہ اللہ کی عبادت، اس کے دین حنیف کے لئے مخلص بن کر رہیں۔ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ دیں، یہی راستہ دین ہے۔

امام صاحب نے خطبۂ ثانیہ میں مختصر طور پر مادہ پرستی، فتنہ، شرک وغیرہ کا ذکر کیا پھر انہوں نے فرمایا کہ قرآن ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جو راہ راست پر ہیں لیکن ان لوگوں کے دلوں میں اسلام کا کیا مقام ہے جو اللہ کے احکام کی عظمت کا اعتراف نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی حدود کا اعتراف کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی شریعت کو نافذ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے درمیان اسلام کا کیا معیار ہے جو با ہمی طور پر "معروف" کا حکم نہیں دیتے اور "منکر" پر عمل سے نہیں روکتے۔ "لعنت کی گئی داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی زبان سے بنی اسرائیل کے ان لوگوں پر جنہوں نے یہ کفر کیا، اور یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ عہد شکنی کرتے تھے۔ اور وہ منکرات پر عمل سے نہیں روکتے تھے، کتنا برا عمل ہے جو وہ کرتے تھے"۔

امام صاحب نے خطبہ کے آخری حصے میں مسلمانوں کے اتحاد کی اہمیت پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ اختلافات سے بچیں کیونکہ اسلام کے خلاف متعدد عناصر آگ بھڑکا رہے ہیں۔ "پس تم اللہ کی رسی کو تھام لو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو اور وہ تمام اختلافات دور کر لو جو تمہارے بلند مقاصد کے حصول میں مانع ہوں۔ کیا تمہارا رب ایک نہیں ہے؟ کیا تمہارا نبی ایک نہیں ہے؟ کیا تم ایک قوم نہیں ہو؟ امام صاحب نے یہ بھی کہا کہ اس اتحاد کے لئے کسی ازم یا کسی کی ضرورت نہیں بلکہ توحید و رسالت ہی اس کی بنیاد ہے۔ جب نماز ختم ہوئی تو جنرل ضیاء اور جنرل اقبال نے امام کعبہ سے ہاتھ ملایا۔

عشائیہ:

ایوانہائے صنعت و تجارت کی طرف سے مندوبین اسلامی کانفرنس کے اعزاز میں دیے جانے والا یہ عشائیہ بیچ لگژری ہوٹل کے لان میں ترتیب دیا گیا تھا۔ لان میں شامیانے نصب تھے، صبح سے جو بادل چھائے ہوئے تھے وہ عین اس وقت برسنا شروع ہوئے جب کھانا شروع کیا گیا۔ شامیانوں سے بارش کا پانی ٹپکنا شروع ہوا جس کی وجہ سے متعدد شرکائے تقریب اٹھ گئے۔

ایوان تجارت کے صدر محمد مظفر نے اپنا خطبہ استقبالیہ اسی دوران پڑھا۔ انہوں نے اس خطبہ میں مندوبین کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرائی کہ اسلامی ملکوں کے درمیان مواصلات اور رسل و رسائل کا جال پھیلایا جائے اور ایک جہاز راں کمپنی قائم کرنے کی طرف بھی غور کیا جائے۔ انہوں نے مستقبل میں مشترکہ اسلامی منڈی کے امکان کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ تمام مسلم ممالک کو اسلامی اقدار پر نظام معیشت نافذ کرنا چاہئے۔

خطبہ استقبالیہ کے بعد بارش کی وجہ سے جنرل ضیاء الحق کی تجویز پر مندوبین ہوٹل کے ہال کے اندر چلے گئے، یہاں جنرل ضیاء الحق نے مختصر طور پر فی البدیہہ خطاب کیا۔ ان کی تقریر حاضرین نے کھڑے ہو کر سنی کیونکہ اندر فوری طور پر محض مائیک اور اسٹیج ہی لگایا جا سکا تھا۔

جنرل ضیاء نے اپنی تقریر میں چار نکات پیش کیے۔ پہلا نکتہ تجارت کے مسئلے سے متعلق تھا انہوں نے کہا کہ ہم میں بہت سی کمزوریاں ہیں لہٰذا چاہئے کہ اپنے ملک میں اپنی ذمہ داریوں کے علاوہ اجتماعی تجارت کا رخ ایک سمت میں کریں تاکہ عالم اسلامی کے اتحاد کی طرف بڑھا جا سکے۔ جس طرح ہم روحانیت کے لئے خانہ کعبہ کی طرف دیکھتے ہیں، اسی طرح دنیاوی تجارت کے لئے بھی اسی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

دوسرے نکتے میں انہوں نے کہا اسلام کی تعلیم کے لئے علماء تاجر اور مجاہدین نے کام کیا ہے علماء اپنا کام انجام دے رہے ہیں اس لئے اب تاجروں کو چاہیئے کہ وہ بین الاقوامی طور پر شرعی لحاظ سے جائز تجارت کو فروغ دیں تاکہ صحیح معنوں میں شریعت کی رو سے تجارت کا شرعی نظام نافذ ہو،

تیسرے نکتے میں انہوں نے اتحاد عالم اسلامی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اصل مسئلہ اتحاد کا نہیں، نفاق کے وجود کا ہے جو ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے اس کو دور کرنے کے لئے ہمیں اپنے دائرے اور ملک میں قوت ایمانی پیدا کرنی ہوگی، ہمارے پاس کسی اور نعمت کی کمی نہیں صرف ایمان کی کمی ہے۔

چوتھے نکتے میں انہوں نے کہا کہ ہم سب اگر اللہ کی رحمتوں سے مستفید ہوتے ہوئے ایک دوسرے کی مدد کریں تو عالم اسلام میں اس ذریعے سے بھی اتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔ ہمیں آپس میں تجارت کے ذریعے ایک دوسرے سے استفادہ حاصل کرنا چاہئے۔

چار نکات پیش کرنے کے بعد آخر میں انہوں نے کہا کہ جن ملکوں کو اسلام سے نفرت ہے انہیں یہ گوارا نہیں کہ ہم جمع ہو کر اسلام کے بارے میں سوچیں۔ مغربی دنیا ہمارے اس رجحان کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے خیالات کو اور اپنے گھر کو مضبوط بنائیں۔ اور دشمنوں سے محتاط رہیں اور یہ بات کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ اصل اسلامی اتحاد قوت ایمانی سے پیدا ہوگا۔

۸ رجولائی:

۸ رجولائی ایشیائی اسلامی کانفرنس کا آخری روز تھا۔ اس روز ہونے والے پروگرام یہ تھے:۔

- ابتدائی سیشن جس میں کمیٹیوں کی رپورٹیں اور قراردادیں پیش ہوئیں۔
- ظہرانہ، یہ ظہرانہ ادارہ فروغ برآمدات نے دیا تھا۔
- اختتامی اجلاس
- عشائیہ اور پریس کانفرنس

ابتدائی سیشن میں کمیٹیوں کی رپورٹیں سفارشات اور قراردادیں پیش کیں، یہ سفارشات قراردادیں اور رپورٹیں مسودہ کمیٹی کے چیرمین نے پیش کیں۔ مندوبین اسلامی کانفرنس نے ان پر تفصیلی غور و خوض کیا۔ یہ سیشن دوپہر تک جاری رہا جس کے بعد وہ ادارہ فروغ برآمدات کے ظہرانے میں شریک ہوئے۔

ظہرانے کے فوراً بعد کانفرنس کا کھلا اختتامی اجلاس ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل میں منعقد ہوا۔ اس اختتامی اجلاس میں جن حضرات نے تقریریں کیں ان کے نام یہ ہیں۔

شیخ محمد علی الحرکان سکریٹری جنرل رابطۃ العالم الاسلامی، اے۔ کے۔ بروہی چیرمین اسلامی کانفرنس، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، امام کعبہ شیخ محمد عبداللہ ابن سبیل (دعا)

اے۔ کے۔ بروہی:

وفاقی وزیر اور اسلامی کانفرنس کے چیرمین اے۔ کے۔ بروہی نے اپنی تقریر میں کہا یہ پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس ان کی توقع سے کہیں زیادہ کامیاب رہی ہے اور یہ کانفرنس اہالیان پاکستان کو ہمیشہ یاد رہے گی۔ کانفرنس میں جو فیصلے کئے گئے ہیں وہ سب متفقہ طور پر ہوئے ہیں اور ان پر پوری طرح عمل کیا جانا چاہئے۔ ان پر عمل درآمد سے اسلامی ممالک میں تعاون، یکجہتی اور اتحاد بین المسلمین کو بے حد فروغ حاصل ہوگا۔

بروہی صاحب نے اپنی تقریر میں ایشیائی رابطہ کونسل اور رابطہ کے علاقائی سکریٹریٹ کے قیام کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ حکومت پاکستان نے رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل شیخ محمد علی الحرکان کی درخواست قبول کر لی ہے اور وہ علاقائی سکریٹریٹ کے لئے موزوں قطعہ آراضی اور شایان شان عمارت فراہم کرے گی۔

بروہی صاحب نے کہا کہ یہ کانفرنس ایشیا کی مسلم قوموں اور برادریوں میں ان کے خفتہ اتحاد اور یکجہتی کے بارے میں نیا شعور پیدا کرنے میں کامیاب ہوئی ہے اور اس طرح یہ کانفرنس تاریخ عالم پر براہ راست اثر انداز ہوگی۔ اور اس سے ملت اسلامیہ کی تقدیر بدلنے میں مدد ملے گی۔

کانفرنس کی چھ کمیٹیوں نے جو مفید اور جامع سفارشات پیش کی ہیں ان سے اس کانفرنس سے رابطہ کے بنیادی مقصد یعنی اسلامی اتحاد اور یکجہتی کو ترقی حاصل ہوئی ہے۔

آخر میں بروہی صاحب نے حکومت پاکستان کی طرف سے مندوبین کے آرام کے سلسلے میں ممکنہ کوتاہیوں کی معذرت پیش کی اور رابطہ کے جنرل سکریٹری اور تینوں وائس چیرمینوں کا کانفرنس کی کامیابی کے لئے کی جانے والی کوششوں میں شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے شیخ الحرکان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کی طویل العمری اور صحت کی دعا کی۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جو کانفرنس کے وائس چیرمین ہیں نے مندوبین کی طرف سے اور شستہ عربی میں خطاب کیا، انہوں نے اپنے خطاب میں کانفرنس کے سلسلے میں کئے جانیوالے انتظامات پر حکومت پاکستان اور پاکستانی عوام کا شکریہ ادا کیا۔

ان کے خطاب کا محور یہ تھا کہ تمام مسلمانوں کا مستقبل ایک دوسرے سے وابستہ ہے اور اس کا تعلق اسلام کی عظمت سے ہے اسلام دنیا کے کسی حصے میں مسلمانوں پر جبر و تشدد کو برداشت نہیں کرتا اور اس لئے جب تک ملت اسلامیہ زندہ ہے، اس پر جبر کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

شیخ محمد علی الحرکان:

رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل اور کانفرنس کے روح رواں شیخ محمد علی الحرکان کی یہ تقریر در اصل کانفرنس کی اختتامی تقریر تھی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کانفرنس کو ایک عظیم کارنامہ قرار دیا اور اس کے انعقاد کا سہرا جنرل ضیاء الحق اور اے۔ کے۔ بروہی کے سر باندھا۔ انہوں نے کہا:۔

پاکستان اور اس کے عوام نے ہمیشہ عالم اسلام کی یکجہتی اور سالمیت کے لئے اہم کردار ادا کیا ہے اور یہ کانفرنس بھی اسی جانب ایک اہم قدم ہے مجھے یقین ہے کہ پاکستان اسلامی دنیا کی ترقی و استحکام کے مستقبل کے لئے اپنا عہد کردار ادا کرے گا۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے راستے میں موجود خطرات سے باخبر رہیں موجودہ کانفرنس نے نہ صرف ایشیا میں اسلامی استحکام کے عمل کو تیز کر دیا ہے بلکہ دنیا میں توازن کے قیام میں بھی ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔

دنیا کو سرمایہ داری اور کمیونزم سے اس وقت تک نجات نہیں مل سکتی جب تک اسلام عالمی امور میں اپنا کردار ادا نہ کرے اس دور میں اگر اسلامی تعلیمات اور اصولوں پر عمل کیا جائے تو دنیا موجودہ تضادات اور ٹکراؤ سے نجات حاصل کرے گی۔

عالم اسلام کے تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ عالمی امور میں اپنا کردار ادا کرنے کو تیار ہو جائیں اور دنیا پر واضح کر دیں کہ وہ اپنے ایمان، عمل اور اسلامی تعلیمات سے دنیا کو ایک مثالی حصہ بنا سکتے ہیں۔ شیخ حرکان نے کہا، اسلامی کانفرنس میں منظور کی جانے والی قراردادیں اس وقت تک بے مقصد رہیں گی جب تک ان پر خلوص دل سے عمل نہ کیا جائے۔ رابطہ ان پر عملدرآمد کے لئے پوری کوشش کرے گی۔

مشترکہ اعلان:

اسلامی کانفرنس نے جو مشترکہ اعلان جاری کیا ہے وہ بھی شیخ الحرکان نے اسی اجلاس میں پڑھ کر سنایا۔ اس تاریخی اعلان میں بتایا گیا ہے کہ:۔

کانفرنس نے ایک ۱۲ رکنی رابطہ کونسل برائے ایشیا قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ ایشیا میں ایسی سرگرمیوں کو توسیع اور فروغ دیا جا سکے۔ کونسل کا ہیڈ کوارٹر کراچی میں ہوگا اور اس کے لئے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق نے اسلامی طرز تعمیر کی ایک خوبصورت عمارت حکومت پاکستان کی جانب سے عطیہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ رابطہ نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ ہر پانچ سال بعد عالمی کانفرنس اور ہر تین سال بعد علاقائی کانفرنس منعقد کی جائے جیسی کراچی میں ہوئی ہے۔ ایشیائی سکریٹریٹ اسلام کے پیغام کی تبلیغ کا کام کرے گی اور ہمارے مذہب کے بیان کردہ مقاصد یعنی نفاذ شریعت کے لئے کام کرے گی۔ اعلان میں حکومت پاکستان، پاکستانی عوام و وزارت

مذہبی امور اور وزارت اطلاعات و نشریات نے کانفرنس کی کامیابی سے انعقاد کرنے اور مندوبین کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کرنے پر شکریہ ادا کیا۔ اعلان میں پاکستان اور اس کے عوام کی کوششوں میں کامیابی کے لئے دعا کی گئی کہ یہ مضبوط اور خوشحال ہوں تاکہ اسلام کے مقاصد کے حصوں میں زیادہ تندہی سے کام کر سکیں۔ اعلان میں قرآن اور رسول اکرمؐ کے ارشادات کا بھی حوالہ دیا گیا ہے جن میں مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند قرار دیا گیا ہے۔ کہ اگر جسم کا ایک حصہ کو تکلیف ہو تو سارا جسم اسے محسوس کرے۔ اعلان میں کہا گیا ہے کہ کسی بھی علاقے کے مسلمانوں کو تکلیف ہو تو ساری دنیا کے مسلمان اسے محسوس کریں اور صورت حال بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ اعلان میں دنیا بھر کی اسلامی تنظیموں کے درمیان زیادہ سے زیادہ تعاون پر زور دیا گیا۔ کانفرنس نے امت مسلمہ کو درپیش مسائل کا جائزہ لیا اور ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی۔ رابطہ نے ان مسائل کے حل کے لئے کوشش کی ہے اور مستقبل میں بھی اپنی کوششیں جاری رکھے گا۔

کانفرنس کا آئندہ اجلاس:

محمد علی الحرکان کے خطاب کے بعد قبرص مندوب رفات مصطفیٰ رفات نے پیش کش کی کہ رابطہ عالم اسلامی کی آئندہ کانفرنس قبرص میں منعقد کی جائے۔ کانفرنس نے اس پیش کش کو قبول کر لیا اور جناب علی الحرکان نے اس پیش کش پر رفات مصطفیٰ رفات کا شکریہ ادا کیا۔

دعا:

شیخ صفوات سقا الامینی نے اختتامی کلمات میں امام کعبہ سے درخواست کی کہ وہ آ کر اپنے دعائیہ کلمات سے کانفرنس کا اختتام فرمائیں۔ امام کعبہ نے مائیک پر آ کر پہلے تو مختصر طور پر یہ امید ظاہر کی کہ یہ کانفرنس مسلمانوں کے اتحاد میں بڑی اہم ثابت ہوگی اور انشاء اللہ اس کے مفید اثرات مسلمانوں پر مرتب ہوں گے۔

انہوں نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے اندر تقویٰ کی اعلیٰ صفات پیدا کریں، اللہ سے ڈریں اور اپنے اور عذاب کے درمیان بچاؤ کی سبیل پیدا کریں۔ اللہ کے احکام کی پیروی اور بُری باتوں سے پرہیز کریں اور سے اپنی امیدوں کی لَو لگائیں۔ انہوں نے دعا کی کہ اللہ مسلمانوں کو اپنی راہ میں اور عظمت اسلام کے لئے اپنی جد و جہد جاری رکھنے کی طاقت و قوت عطا فرمائے۔ انہوں نے کانفرنس کے مقاصد کی کامیابی کے لئے دعا کی۔ اس کے ساتھ ہی کانفرنس کا یہ افتتاحی اجلاس مکمل ہوا۔

الوداعی ضیافت:

۸ جولائی کی شب، اسلامی کانفرنس کے مندوبین نے اپنا آخری اجتماعی کھانا کھایا (اس سے قبل پریس کانفرنس منعقد ہو چکی تھی جس میں کانفرنس کے فیصلوں کا اعلان کیا گیا تھا اس کا ذکر آخر میں آئے گا)۔ رابطے کے امین العام شیخ الحرکان نے ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں عشائیہ دیا تھا، جس میں تمام مندوبین اور جنرل ضیاء الحق بھی شریک ہوئے۔ کھانے کی اس الوداعی تقریب میں شیخ الحرکان نے جنرل ضیاء الحق کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اسلامی کانفرنس کے مندوبین کی میزبانی کی۔ شیخ نے جنرل ضیاء الحق کو عربی لباس (عبا) بطور تحفہ پیش کیا۔ جنرل ضیاء الحق نے اس موقع پر ایک مختصر سا خطاب بھی کیا جس میں انہوں نے یقین دلایا ساڑھے سات کروڑ پاکستانی مسلمانوں کو متحد دیکھنے کی شدید خواہش رکھتے ہیں اور وہ اس خواب کو حقیقت بنانے کی پوری کوشش کریں گے۔ انہوں نے اس ضرورت کا بھی ذکر کیا کہ ملت اسلامیہ کے اتحاد کے لئے عربی سیکھنا بہت ضروری ہے لیکن افسوس ہے کہ پاکستان سے گذشتہ تیس برسوں میں کسی بھی حکومت نے مقامی آبادی کو عربی زبان سکھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

اسی روز کا ایک اہم پروگرام اہالیان کراچی کی طرف سے شرکائے اسلامی کانفرنس کو باغ قائد اعظم میں ایک عظیم الشان استقبالیہ پر مشتمل تھا۔ لیکن گذشتہ روز سے جو بادل آسمان پر چھائے ہوئے تھے، وہ صبح ہی سے ٹوٹ کر یوں برسے کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ یہ استقبالیہ ساڑھے پانچ بجے شام منعقد ہونا تھا لیکن بارش کی وجہ سے اسے ملتوی کرنا پڑا۔ کراچی کے وہ ہزاروں شہری جنہیں اس استقبالیے کے دعوت نامے دیے گئے تھے۔ دل مسوس کر رہ گئے۔

فیصلے:

اسلامی کانفرنس کی چھ کمیٹیوں نے رپورٹوں اور سفارشات کے بعد جو متفقہ فیصلے کئے تھے، ان کے اعلان کے لئے اختتامی اجلاس کے بعد جو متفقہ فیصلے کئے تھے، ان کے اعلان کے لئے اختتامی اجلاس کے بعد ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں ایک پریس کانفرنس طلب کی گئی تھی۔ اس پر ہجوم پریس کانفرنس سے رابطے کے ڈپٹی سکریٹری شیخ صفوات سقا الامینی نے خطاب کیا اور کانفرنس کے اہم فیصلوں کا اعلان کیا جو فیصلے طے پائے وہ یوں ہیں:

مسجد اقصیٰ:

جنرل ضیاء الحق نے اپنے افتتاحی میں مسجد اقصیٰ اور حرم ابراہیمی کا بھی ذکر کیا تھا جس سے کانفرنس کے شرکاء کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ انہوں نے بالکل بجا کہا تھا کہ جب تک مسجد اقصیٰ اور عرب علاقے اسرائیل کے قبضے میں ہیں اس وقت تک دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا، فلسطین کا مسئلہ محض فلسطین کے عوام کا مسئلہ نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کا مسئلہ ہے۔ ہم اس مسئلے پر اس طرح غور کرتے ہیں کہ بیت المقدس وہ مقام ہے جہاں سے معراج نبویؐ کا آغاز ہوا تھا۔ یہ مقدس مقام ہے جو اسرائیلیوں کی بھینٹ چڑھ گیا ہے، ہمیں صیہونی وحشیانہ جارحیت اور استبداد کا خاتمہ کرنا ہے، یہودی آثار قدیمہ کے نام پر مسجد اقصیٰ کے ارد گرد جو کھدائی کر رہے ہیں ان کا مقصد ہمارے قبلۂ اول کو شہید کرنا ہے اور ارد گرد کی عمارتوں کا صفایا کرنا ہے، خود یونیسکو اس کارروائی کی مذمت کر چکا ہے چنانچہ کانفرنس نے تجویز کیا ہے کہ بیت المقدس فنڈ کی امداد کی جاتی رہے تاکہ مسلم اوقاف اور مسجد اقصیٰ کو بچایا جا سکے مسجد اقصیٰ کو بچانے کے لئے مالی امداد اور جہاد کی ضرورت ہے۔

عربی اور قرآن کی ترویج و اشاعت:

کانفرنس نے جنرل ضیاء الحق سے سفارش کی ہے کہ عربی کی ترویج کے لئے اسے نصاب تعلیم میں ہر سطح پر پرائمری، سیکنڈری اور یونیورسٹی کی سطح تک لازمی مضمون قرار دیا جائے۔ عربی چونکہ قرآن کی زبان ہے، لہٰذا اس کی تعلیم کا مطلب خود قرآن کی تعلیم ہوگا اور اس کے ساتھ اردو زبان بھی زندہ رہ سکتی ہے۔ کمیٹی نے تمام ایشیائی اسلامی ملکوں میں قرآن کی تعلیم کے اہتمام کی خاطر ہر سطح پر عربی زبان کی سفارش کی ہے۔

(اگر قرآن کو نہ سمجھا جائے تو اس پر عمل کیسے ہو سکتا ہے، پھر ہم اسلامی اتحاد کی بات کرتے ہیں تو جب تک اسلامی ملکوں کی مشترکہ زبان عربی نہ ہو تو اسلامی اتحاد کیسے فروغ پا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افریقہ اور امریکہ میں ہونے والی کانفرنسوں میں بھی اسلامی ملکوں سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ عربی زبان اور قرآن کی تعلیم کا اہتمام کریں۔)

برما کے مسلمان:

کانفرنس نے برمی مسلمانوں اور کمبوڈیا اور پٹانی کی مسلم اقلیتوں کے مسائل پر تفصیل سے غور کیا اور مطالبہ کیا کہ مسلمانوں پر ظلم و ستم اور ان کا استحصال بند کیا جائے اور انہیں فوراً اپنے وطن اور اپنے علاقوں میں واپس ہونے کا موقع دیا جائے۔ کانفرنس نے مسلم ممالک سے اپیل کی ہے کہ دنیا بھر میں جہاں جہاں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے وہاں ان کی مدد کی جائے اور ان کے جائز حقوق بحال کرائے جائیں۔ کانفرنس میں سوشلسٹ ملکوں میں بھی بسنے والے مسلمانوں کی حالت زار پر شدید ناراضگی اور برہمی کا اظہار کیا گیا۔ اور ان ملکوں سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کو مذہبی فرائض سے انجام دینے کے مواقع دیں۔ کانفرنس نے مشرقی اور مغربی ترکستان میں مسلمانوں کی مذہبی آزادیوں، ان کے حقوق اور اپنی اراضی پر بحالی کے مطالبات کئے۔

لبنان:

عربوں کے قلب میں یہودی ریاست کا قیام اور لبنان کی سرحد میں یہودیوں کا نیٹ ورک مسلم ملکوں کے لئے پریشانی اور تشویش کا باعث ہے۔ اسرائیل نے جنوبی لبنان کے علاقے اقوام متحدہ کے امن مشن کے بجائے عیسائیوں کے حوالے کر دیے ہیں اور یہ عیسائی مسلمانوں سے جنگ کر رہے ہیں، یہ کانفرنس محسوس کرتی ہے کہ جنوبی لبنان میں امن اور لبنان کی علاقائی سالمیت کو برقرار رکھا جائے، لبنان کو لبنانیوں کے لئے چھوڑ دیا جائے عیسائی اور غیر عیسائی شرپسند اسے اپنی آماجگاہ نہ بنائیں کانفرنس نے امید ظاہر کی ہے کہ مہذب دنیا لبنان کے مسئلہ امن کی حمایت کرے گی۔

مساجد:

پاکستان کا وجود اسلام کا مرہون منت ہے اور اللہ کے فضل سے یہ ملک شروع سے دعوت اسلامی کے فروغ کے لئے کوشاں رہا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہم نے پاکستان میں ہر جگہ یہ دیکھا ہے کہ یہاں حکومت نہیں عوام خود مساجد تعمیر کرتے ہیں بلکہ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ دنیا بھر میں جہاں جہاں پاکستانی آباد ہیں وہ ان علاقوں میں مساجد کی تعمیر سے گہری دلچسپی لیتے ہیں جو دعوت اسلامی کے مراکز ہیں لہٰذا کانفرنس نے ایک قرارداد کے ذریعے پاکستانی عوام کے ان جذبات کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ مختلف ملکوں میں اسلامی سینٹروں کی تعمیر کا کام پاکستان سے شروع کیا جائے، ہمیں خوشی ہے کہ جنرل ضیاء الحق نے فیاضانہ طور پر سینٹر کے لئے جگہ دینے کی پیشکش کی ہے رابطہ یہ سینٹر تعمیر کرے گا اور اس کی تعمیر میں پاکستان کے عوام کو بھی شامل کرے گا۔

فیصلے سنانے کے بعد شیخ صاحب نے کانفرنس کی کامیابی پر جنرل ضیاء الحق کی حکومت، اسے کے بروہی اور دیگر ان حضرات کا جنہوں نے اس کانفرنس میں تعاون کیا، کا شکریہ ادا کیا اور اس کے ساتھ ہی یہ اہم پریس کانفرنس ختم ہوئی۔

(ایشیا)

ممالک عربیہ کے ایک دورے میں اپنے
مشاہدات و تأثرات

از (مولانا) سعید الاعظمی ندوی (استاذ ادب عربی ندوۃ العلماء و مدیر البعث الاسلامی) ـــــ ترجمانی: علاء الدین ندوی

★

ماہ اپریل ۱۹۷۶ء (مطابق جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ) کے وسط میں دار العلوم کے نمائندے کی حیثیت سے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کے ایماء پر ممالک عربیہ کا ہمارا ایک علمی دورہ شروع ہوا، اس سفر میں میرے فاضل دوست مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی (استاذ ادب عربی و اڈیٹر پندرہ روزہ "الرائد") باہم رفیق سفر کی حیثیت سے ساتھ تھے، اس سفر کا مقصد ممالک عربیہ اسلامیہ کی علمی اور ادبی سرگرمیوں کو قریب سے دیکھ کر ان سے مستفید ہونا، در یہ معلوم کرنا تھا کہ وہاں کے تعلیمی مراکز اور جامعات میں جو نظام تعلیم رائج ہے وہ کہاں تک نئی نسل کی ضرورتوں سے ہم آہنگ ہے، اور اس میں کیا چیزیں ایسی ہیں جن سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور کون سے پہلو ایسے ہیں جن کی طرف توجہ کی ضرورت ہے، اور ان کی کمی کو پوری کرنے کے لیے ہندوستان کے اس عظیم علمی مرکز دار العلوم ندوۃ العلماء کے فلسفۂ تعلیم کا سہارا لیا جا سکتا ہے،

اس سفر میں ہمارا ایک بڑا مقصد ایسی اہم شخصیتوں سے ملنا بھی تھا جو تعلیم و تربیت کے میدان میں خاص اہمیت کی حامل ہیں، اور جن کی تربیت کا اثر نئی نسل اور جدید معاشرے کی تعمیر میں بہت گہرا ہے۔ یا جن شخصیتوں کی حیثیت دینی اور دعوتی لحاظ سے بہت اونچی ہے اور معاشرہ کی تعمیر و تشکیل میں وہ قائدانہ کردار کی مالک ہیں۔

ہمارے اس سفر کی سب سے پہلی منزل ریاض (حکومت سعودی کی راجدھانی) تھی، ہم نے وہاں اپنے ندوی طلباء کے ساتھ جنہیں ندوۃ العلماء نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کی غرض سے ریاض یونیورسٹی بھیجا ہے اپنے ان دینی بھائیوں کے درمیان جن سے ہم دینی اور دعوتی راہ سے بہت پہلے سے ایک دوسرے سے متعارف تھے اور جن سے ہمارے تعلقات صرف اخوت و بھائی چارگی کے رشتے سے منسلک ہو گئے تھے دو ہفتے گذارے، ان فرزندان اسلام کا شمار ان چند ممتاز شخصیتوں میں ہوتا ہے جنکے اندر دینی غیرت و حمیت اور دعوتی جوش و ولولہ پوری طرح کار فرما ہے، ان میں سر فہرست شیخ عبد الرحمن محمد الدوسری، شیخ عبد الرحمن المسند، فاضل دوست شیخ عبد اللہ عبد العزیز الجبشی، محترم دوست حمود بن صالح العقیل، شیخ عبد اللہ العقیر، سید حسن عسکری کا نام لیا جا سکتا ہے۔ یہ نہ صرف یہ کہ ندوۃ العلماء کی سرگرمیوں اور اس کی خدمات سے جو وہ تعلیم و تربیت اور دعوت اسلامی کے نشر و اشاعت کے میدان میں انجام دے رہا ہے دلچسپی و وابستگی رکھتے ہیں بلکہ ندوۃ العلماء کے پیام اور اس کی خاص دعوت "قدیم صالح اور جدید نافع کا امتزاج" کے مداح و گرویدہ ہیں اور اسے عالم اسلامی کی ایک اہم ضرورت سمجھتے ہیں، انہیں توقع ہے کہ ندوۃ العلماء اپنی عظیم شخصیت حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی سرپرستی میں ان تمام نظامہائے تعلیم میں اہم تبدیلی پیدا کر سکتا ہے جو اسوقت عالم اسلام کے تمام بڑے بڑے ملکوں اور ثقافتی مرکزوں میں جاری و ساری ہے، اور تعلیم و تربیت کے اس نقطۂ نظر کو بدلنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے جو حقیقت میں مغربی ذہن کی پیداوار ہے اور بگاڑ پیدا کرنے کی ان کوششوں کا ثمرہ ہے جسے اصلاح و انقلاب اور ترقی و تغیر پذیری کے نام سے گذشتہ صدی کے آخری دو "دہوں" میں پھیلانے کی بھرپور کوشش ہوئی۔

ان فاضل دوستوں سے ہماری ملاقات و تعارف کا رشتہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب ہمارا ریاض کا پہلا دورہ شروع ۱۹۶۔ء میں اپنے رفیق سفر مولانا اسحق جلیسی صاحب ندوی (مدیر تعمیر حیات) کے ساتھ ہوا تھا۔

اسوقت ریاض تعلیمی و علمی سرگرمیوں کا ایک بڑا مرکز بنتا چلا جا رہا ہے خصوصاً دو عظیم یونیورسٹیوں کے قیام نے اس کو ایک اہم ثقافتی مرکز میں تبدیل کر دیا ہے۔ اسکے علاوہ بھی مختلف دانشگاہیں اور دینی و دعوتی ادارے جیسے مرکز افتاء و تحقیق اور دعوت و تبلیغ، اسلامی نوجوانوں کی بین الاقوامی انجمن مسلم معاشرے میں با مقصد صحافت کا وجود، اور عوام میں دینی احساس و بیداری یہ ساری سرگرمیاں ریاض میں موجود ہیں، یہاں ہمیں امام محمد بن سعود یونیورسٹی اور اس کے مختلف شعبے اور کالجوں کو دیکھنے کا موقع ملا یونیورسٹی کے وائس چانسلر عالیجناب ڈاکٹر عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی سے ملاقات اور خالص علمی ماحول میں انکے ساتھ بیٹھنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملا، اسی طرح عالیجناب شیخ محمد عجلان پرو وائس چانسلر امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی، شیخ عبد الکریم اللاحم (پرنسپل کلیۃ اصول الدین) شیخ عبد العزیز الرومی (پرنسپل کلیۃ الشریعۃ)، شیخ عبد اللہ الزاید (دعوت اسلامی کالج کے ڈائرکٹر) سے ملاقات و گفتگو کے مواقع فراہم ہوئے۔ ریاض یونیورسٹی کے بعض کالجوں میں بھی ہمارا جانا ہوا، اور وہاں کے مدرسین و اساتذہ سے ملاقات ہوئی، البتہ وائس چانسلر عالیجناب شیخ ڈاکٹر عبد العزیز الفدا (جو ندوۃ العلماء کے جشن تعلیمی ۱۹۷۵ء کے موقع پر ندوۃ العلماء میں تشریف لا چکے ہیں) سے ملاقات نہ ہو سکی۔

شیخ عبد الفتاح ابو غدہ سے ملاقات کی تمنا تھی چنانچہ ہماری یہ آرزو بھی پوری ہوئی اور ہم انکے مکان پر ان سے ملنے گئے جہاں نہایت بے تکلفانہ اور سادگی کا ماحول اور علمی و ادبی فضا میں ملاقات ہوئی۔ ہم انکے حسن اخلاق، انکی شفقت بزرگانہ اور ان کی علمی ظرافت و عظمت اور انکے عمیق و گہرے مطالعہ سے بے حد متاثر ہوئے پھر انہوں نے ہمیں اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کی خدمت میں اپنی بعض تصنیفات پیش کیں انکے بعد ہماری ملاقات مشہور مصنف (مصنف ۔۔۔) ڈاکٹر عبد الرحمن رافت باشا (استاذ امام محمد بن سعود یونیورسٹی) سے ہوئی انہوں نے بھی ہمیں اپنی کتابوں کا ایک سیٹ پیش کیا جو انہوں نے حیات صحابہ کے موضوع پر تصنیف کی ہیں۔

اس کے بعد ایک دن ہم نے انجمن امور طلبہ کے دفتر کا ارادہ کیا، وہاں ہماری ملاقات شیخ صالح بن سعود علی ڈائرکٹر "امور طلبہ" اور شیخ خالد عمیمی نائب ڈائرکٹر "امور طلبہ" سے ہوئی۔ ہم نے ان حضرات سے طلبہ کے امور و مسائل اور یونیورسٹی میں داخلے کی ضروری شرائط و قوانین کے بارے میں دریافت کیا اور ان شرائط کے متعلق معلومات حاصل کیں جن کے بغیر کسی طالب علم کا داخلہ ممکن نہیں، اسی طرح اور بھی یونیورسٹی کے بعض انتظامی امور کے بارے میں معلومات حاصل کرتے اور تبادلۂ خیالات کرتے رہے، یہاں قابل توجہ بات یہ ہے کہ یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کے لیے مستقل ایک الگ شعبہ کھول دیا ہے جہاں خواہشمند طلبہ اس کی شرائط کے ساتھ اپنے نام رجسٹرڈ کرا سکتے ہیں۔

یہاں سے ہم عالیجاہ شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز کے مکان پر گئے جو ادارہ تحقیق و افتاء اور دعوت و تبلیغ کے صدر ہیں ان سے عام مجلس میں ملاقات ہوئی انہوں نے ہمیں خوش آمدید کہا لیکن ہم نے خصوصی ملاقات کے لئے ایک متعین وقت کی درخواست کی جسے انہوں نے بخوشی قبول فرما لیا اور ہمیں دوسرے دن دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا، دوسرے دن ہم مجلس تحقیق و افتاء اور دعوت و تبلیغ کے ادارہ میں شیخ سے جا کر ملاقات کی جہاں ہم نے بعض دعوتی مسائل پر گفتگو کی، خصوصیت سے ہم نے جریدہ "الدعوۃ" کا تذکرہ کیا جو موصوف کی زیر سرپرستی ریاض سے نکلتا ہے اور جس کے قریبی شمارہ میں بعض خالص مذہبی جماعتوں اور مسلم شخصیتوں پر سخت تنقید و تبصرہ کیا گیا ہے، موصوف کو اس کے بارے میں علم نہ تھا چنانچہ انہوں نے ہماری توجہ دلانے پر مزید تحقیق و تدارک کا وعدہ فرمایا۔

ایک دن اپنے ایک دوست نے ہمیں یہ مسرت بخش خبر دی کہ شیخ عبد اللہ الفتوخ (جنرل سکریٹری برائے امور دعوت اسلامیہ ادارہ مجلس "افتاء و تحقیق، و دعوت و تبلیغ") اپنے دفتر میں موجود ہیں چنانچہ ہم ان کے آفس میں ملے وہ ابھی حال ہی میں ڈھاکہ (بنگلہ دیش) میں ہونے والے دعوت و تبلیغ کے اجتماع سے واپس آئے تھے، انہوں نے گرمجوشی سے ہمارا استقبال کیا اور کانفرنس کے مشاہدات خصوصاً وہاں کے دینی روح پرور منظر اور خالص دینی ماحول کا تذکرہ کرتے رہے اور اجتماع کے بارے میں اپنے تاثرات بتائے اور جماعت دعوت و تبلیغ کے طریقۂ کار کے بارے میں انہوں نے اپنی رائے ظاہر کی اور کہا کہ جماعت کا طریقۂ کار بہت ہی خوش آئند ہے، انہوں نے دوسرے دن دوپہر کے کھانے پر ہمیں اپنے مکان پر مدعو کیا وہاں ہماری ملاقات شیخ عبد اللہ المصلح (جو ابہا میں زبان و ادب عربی کالج کے پرنسپل ہیں) سے ملاقات ہوگئی ہماری یہ ملاقات بڑے ہی علمی فضا اور دوستانہ ماحول میں رہی اور حقیقت میں یہ ہمارے اوقات کا بہترین مصرف تھا۔

ایک دن ہمیں عالیجاہ سابق محمد بن عبد الرحمن آل سعود سابق وزیر مالیات سے ملاقات کا خوشگوار موقع ہاتھ آیا، موصوف نے ندوۃ العلماء کا دورہ اس وقت کیا تھا جب وہ ملک سعود بن عبد العزیز مرحوم کے ساتھ جبکہ وہ شاہ حکومت ہند کے دورے پر ۱۹۵۵ء میں تشریف لائے تھے اور بادشاہ مرحوم نے ان کو اپنا قائم مقام بنا کر ندوۃ العلماء کو دیکھنے کے لئے بھیجا۔ ہم نے ان سے ماضی کی ان خوشگوار یادوں کا تذکرہ کیا جو ان کی ندوۃ العلماء سے وابستہ تھیں جب ندوۃ العلماء نے انکے اعزاز میں استقبالیہ جلسہ کیا تھا جس میں موصوف نے خصوصیت کے ساتھ خطاب فرمایا تھا تھوڑی دیر تک ہم ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کے بارے میں مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے اس گفتگو میں انہوں نے ندوۃ العلماء سے اپنی دلچسپی و وابستگی اور حضرت مولانا سے اپنے خاص تعلق کا اظہار فرمایا اور مولانا کی بعض تصنیفات جو ہم نے پیش کیں انہیں شکریہ کے ساتھ انہوں نے قبول کر لیا۔ پھر انہوں نے ہمیں رات کے کھانے پر بلایا ہم مغرب کی نماز کے بعد ان کے مکان پر پہونچ وہ مجلس میں تشریف فرما تھے دیکھتے ہی انہوں نے ہمارا استقبال کیا تھوڑی دیر ہم ان کی علمی اور ادبی مجلس میں مختلف علمی، ادبی، دینی موضوعات پر تبادلۂ خیالات کرتے رہے، انکی ساری گفتگو سے ان کی وسعت نظری، بلند خیالی، کثرت معلومات اور عالم اسلام میں نئے نئے پیش آنے والے مسائل، نظریات و خیالات سے انکی گہری واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر ہماری نشست ختم ہوئی اور ہم ڈائننگ روم میں گئے جہاں ہم نے انتہائی عزت و احترام کے ماحول میں ایک ساتھ کھانا کھایا کھانے کے بعد عشاء کی نماز باجماعت امیر موصوف کے ساتھ انہی کی مسجد میں ادا کی، نماز کے بعد انہوں نے نہایت احترام سے اور

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں میری ہشت سالہ سرگذشت

عبدالفضل قدیر مظفر ندوی (لاہور)

اے مادر ندوہ!

آغوش تو اے آتانِ عدم است
مارا بجز حدیقۂ تو آشیانہ نیست

یہ شمع تیرے بارناز فرزند نابغۂ روزگار سرورِ عالم کے سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندوی، تاریخ سلاطین اسلام کے مؤلف و مرتب صحابہ کبار کے سوانح نگار عبدالسلام ندویؒ اور شاہ معین الدین احمد ندویؒ۔ یہ تھے وہ کہ جن کے جواہر نگار قلم کے کمال حسن سے بزم دارالمصنفین تابناک۔ اور اب بھی زندہ و پائندہ مایۂ ناز متعنا اللہ بطول حیاتہ علم و تقویٰ کے جامع۔ ہند میں کلمۃ الحق کی للکار ابوالحسن علی ندوی اور یہ نااہل راقم ؎

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

تحیۃ وسلاما!

اے جوانان قبستان بشنوید از من کہن
یاد دارم داستانہا از نیاگان شما

مادر ندوہ اور آپ ندوی بھائیوں کی دید سے طویل محرومی اور لاعلاج۔ کہ دیار محبوب کا نقیب "تعمیر حیات" باصرہ افروز ہوا ؎

ولقد تعجب فی الصبا من ارضھا
فیلذ مس ھبوبھا ویطیبی

میں نے اس سے پوچھا ؎

اے دیس سے آنے والے بتا
کس حال میں ہیں یاران وطن

ہاں قضا و قدر نے اس خطۂ زمین پر خونچکاں لکیر کھینچ دی ؎

کیف الوصول الی سعاد و دونھا
قلل الجبال و بینھن حیوف

لکیر کے اس طرف اپنے وطن ہجرت لاہور سے دارالعلوم ندوہ میں اپنی ہشت سالہ سرگذشت لکھ کر بھیج رہا ہوں۔

سپرمی تا چہ نوشت است کلک تقدیرم

لاہور میرا وطن ثانی ہے ۱۹۴۷ء میں تلاطم خیز دریائے خون سے گذرتا ہوا، جگر گوشوں کو انقلاب کی نذر کرتا ہوا دارالامن لاہور پہنچا ہوں ؎

لاہور ایجاں برابر خریدہ ایم
جاں دادہ ایم و بہر جنت گزیدہ ایم

نصف صدی پیشتر مڑ کر دیکھتا ہوں تو وہ گذرا ہوا زمانہ سامنے آجاتا ہے۔ اساتذہ کی شفقتیں ناصحانہ سرزنش، طلبہ کے محبوب القاب، اساتذہ مولانا شبلی جیراج پوری "کأنہ علم فی راسہ نار" کی درس میں پاٹ دار آواز۔ صبح دم کھٹ کھٹ کر کے کھلواتے اور کوک کوک کر ایک ایک کا نام لے کر بستر سے اٹھاتے، یوسف، عزیز الرحمٰن، سید حسن، حافظ خلیل، فخر الحسن، فضل قدیر، محسن، کوئی اونگھنے لگتا تو فرماتے "وظیفہ پڑھ رہے ہو؟"

مولانا سید علیؒ، مفتی محمد یوسفؒ، ادبیات کے استاذ، مولانا محمد یوسف منطقیؒ معقولات کے استاذ، مولانا عبدالغفورؒ ہیئت اور الٰہیات کے استاذ، مولانا عبدالودودؒ فقہ کے استاذ۔ مولانا فضل الرحمٰنؒ فرائض کے استاذ، مولانا شیخ محمد عرب حدیث کے استاذ، مولانا خلیل عرب دواوین خمسہ، العمدۃ، رسائل بدیع الزمان ہمدانی کے مجوزہ واحد کے استاذ۔ یہ تھے علم و فن کے وہ بلند مینار جن کے فیض کرم کو ہم تلامذہ کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

کارواں رفت و انداز ۂ جاہش پیداست
زاں نشانہا کہ بہر راہ گذار افتاد است

والد مرحوم مولوی شمس الاسلام کا تعلق دبستان قدیم سے تھا۔ مگر وہ علی گڑھ تحریک سے متاثر تھے اس لئے ندوہ کو قدیم طرز کے مدارس سے بہتر سمجھتے تھے۔

مارچ ۱۹۱۰ء میں ندوۃ العلماء کا سالانہ جلسہ دھوم دھام سے دہلی میں ہوا۔ والد مرحوم مجھے بھی جلسہ میں لے گئے۔ ملک کے مشاہیر علامہ شبلیؒ، نوجوان ابوالکلام۔ نواب وقار الملک۔ شاہ سلیمان پھلواروی۔ مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپوری، مولانا عبدالحق حقانی، حکیم اجمل خاں (اصل روح جلسہ اور میزبان) مولانا ناظر حسن، سر عبدالقادر (لاہور) ڈاکٹر عبدالغنی (کابل) مولوی سید احمد امام جامع مسجد دہلی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری۔ جلسہ میں رونق افروز تھے۔ مہمان عربک کالج کی وسیع پُرفضا چمن زار عمارت میں ٹھہرائے گئے۔ باہر شاندار پنڈال میں جلسہ ہوا۔ میں نے آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کی گولڈن جوبلی۔ جامعہ ملیہ دہلی کی سلور جوبلی۔ پانی پت میں زیر صدارت نواب حمید اللہ خاں والی ریاست بھوپال حالی کی صد سالہ یادگار تقریب دیکھی لیکن اس اجلاس ندوہ کی شان ہی نرالی تھی، کھانے کی میز بیک وقت نو، خوش ذائقہ، خوش رنگ، خوش بو نعمتوں سے آراستہ ہوتی تھی، کباب، شیر مال، نرگسی کوفتہ، بریانی، حیدرآبادی کچی بریانی، مزعفر فیرینی، پرندوں کا متنجن۔

اس زمانہ میں نصاب میں سنسکرت بھاشا داخل تھی۔ ہوشیار پور (پنجاب) کے ایک نوجوان طالب علم پنڈتوں کی پگڑی سر پر باندھے اسٹیج پر آئے اور سنسکرت میں تقریر کی۔ علامہ شبلیؒ نے فرط مسرت سے عبا اتار کر ان کو پہنا دی۔ طلبہ نے انگریزی، عربی تقریریں کیں۔ عربی تقریر کے ایک ایک فقرہ پر سارا پنڈال علماء کی تحسین و تبریک سے گونج اٹھا۔ ہمارے قریب ہی ایک مرید مناظر نابینا احمد مسیح جو ابھی عربی جانتا تھا بے خود ہو کر بلند آواز سے واہ واہ کہہ رہا تھا اور جھوم رہا تھا ؎

چناں انگند ساقی در مے افیوں
حریفاں راز سرماند و نہ دستار

پہلی عالم گیر جنگ ستمبر ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی۔ میں ایک ماہ بعد دارالعلوم میں داخل ہوا۔ میرا سابق وطن کیتھل (ضلع کرنال اب ضلع کورکشیتر ہریانہ) اہم تاریخی مقام ہے۔ ہندوستان کی پہلی خاتون فرمانروا سلطانہ رضیہ کا مقتل و مدفن۔ مورخ ضیاء الدین برنی کا ننھیال (تالیف ضیاء الدین برنی) سلطنت کاروند ڈال کے بانی سلطان جلال الدین احسن شاہ کا وطن (تاریخ معبر طبع سلطان جہاں منزل علی گڑھ) سلسلہ قادریہ میں غوث اعظمؒ کے بعد دوسرے درجہ پر شاہ کمال کا مسکن و مرقد۔ اور ہندوؤں کا کورکشیتر یو ترکھوی مہا بھارت کی رزم گاہ۔

اگر میں اضلاع سہارنپور، مظفر نگر کی کسی درسگاہ میں داخل کر دیا جاتا تب تو خیریت ہوتی لیکن مجھے مقدر نے لا پھینکا ندوہ میں جہاں لکھنؤ اور شبلیؒ کی دو آتشہ شستہ و شائستہ اردو کا چلن تھا اور میں تھا اجڈ زبان۔ بول چال اکھڑ، بولنے کا انداز اکھڑ۔ کہتا تھا "آپ جلو گے" "میں نے اِمیں جانا ہے"۔ بخار آگیا۔ مزاج پرسی پر بولا "میں راضی نہیں ہوں"۔ ایک دفعہ میڈیکل ہسپتال گیا۔ ابھی ڈاکٹر نہیں آئے تھے۔ ڈسپنسر سے پوچھا، "ڈاکٹر کہاں ہے؟" ڈسپنسر بولا، کیا ڈاکٹر صاحب آپ کے نوکر ہیں۔ اتنے میں ڈاکٹر آگئے۔ نبض پر ہاتھ رکھ کر دریافت کیا "کیا شکایت ہے؟" میں نے جواب میں کہا "قبض ہے (بائے مفتوح)" ڈاکٹر نے سوال کیا۔ آپ کا وطن شریف؟ میں نے کہا پنجاب۔ ڈاکٹر بولے "تب ٹھیک ہے"۔ بہاری، دکنی طلبہ تو میری بول چال پر معترض نہیں ہوتے تھے۔ مگر اودھ کے طلبہ نے بات بات پر ٹوک کر ناک میں دم کر دیا۔ مجھے ابتدا سے تاریخ سے دلچسپی ہے۔ پہلی اپریل کو میرے کلاس فیلو چودھری معین الدین نے اپریل فول کی تقریب سے لڑکوں کے نام ادل بدل کر سائن بورڈ میں فہرست لگا دی۔ مجھے "جاہل مورخ" کے خطاب سے نوازا۔ میں نے اپریل فول کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ بہت غصہ آیا۔ چودھری معین الدین سانولے سلونے تھے میں نے جواب آں غزل ان کو "ملک حبش" لکھ کر سائن بورڈ میں کاغذ ٹانک دیا۔ وہ غضب کے شاعر تھے۔ دارالعلوم کے مشاعروں میں اچھی غزل سناتے تھے۔ انہوں نے دس بارہ اشعار کا ہزلیہ لکھ کر میری خوب تواضع کی۔ ایک دوست نے میری حمایت میں ان کے خلاف مبتذل رکیک ہزلیہ لکھ کر سائن بورڈ میں ٹانک دیا۔

علامہ شبلیؒ نے نومبر ۱۹۱۴ء میں رحلت فرمائی۔ دارالعلوم میں اطلاع آئی تو کہرام مچ گیا اسی ہفتہ علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولوی مسعود علی ندوی مرحوم دارالعلوم آئے جلسہ تعزیت ہوا۔ سید صاحب استاد مرحوم کے آخری لمحوں کی روداد سناتے ہوئے بولے کہ "استاذ مرحوم نے وفات سے ایک دن پہلے ہمیں قریب بلا کر تتلاتی زبان سے فرمایا: سی یت، سی یت، سی یت (یعنی سیرۃ النبیؐ تکمیل کرنا) یہ فقرہ سنتے ہی طلبہ کا پورا مجمع بلبلا اٹھا۔ آہ و فغاں کا ایک طوفان برپا تھا مولوی عبدالرحمٰن نگرامی مرحوم سید صاحب لپٹ کر تھر تھر کانپ رہے تھے۔ فرط غم سے بھینچتی ہوئی زبان بھی تھرتھرا رہی تھی — ابوالحسنات عبدالشکور مرحوم دارالعلوم میں بہت اچھے شاعر تھے حزنیہ سنایا جس کے ایک ایک شعر نے سب کو تڑپا کے رکھ دیا۔ یہی حزنیہ انہوں نے قیصر باغ بارہ دری کے جلسہ تعزیت میں سنایا۔ جملہ حاضرین آب دیدہ ہوگئے۔

اس زمانہ میں مولانا خلیل الرحمٰن صاحب سہارنپوری دارالعلوم کے ناظم تھے، موصوف دارالعلوم کو قدیم طرز کی درسگاہ دیکھنا پسند کرتے تھے۔ طلبہ ان کو علامہ شبلیؒ کا مخالف سمجھتے تھے ان کی بات بات پر بگڑ بیٹھتے تھے اور کلاس روم سے باہر نکل آتے تھے۔ دارالعلوم کی پوری فضا میں شبلیت رچی ہوئی تھی۔ کبھی طلبہ شبلیؒ کی مشہور نظم "شہر آشوب" کے اشعار شبلی ہی کے مخصوص لحن میں پڑھتے

بے تھے۔

قدیم و جدید کے امتزاج سے دارالعلوم کا منظر بڑا ہی خوش سواد تھا۔ اساتذہ کے لئے کمروں میں کرسیاں اور طلبہ کے لئے ڈیسک رکھے تھے۔ قریب قریب تمام طلبہ ترکی ٹوپی سر پر رکھتے تھے۔ درس کے اوقات تھے موسم گرما میں ۶ بجے صبح سے ۱۲ بجے دوپہر تک اور موسم سرما میں ۱۰ بجے صبح سے ۴ بجے شام تک درمیان میں نماز ظہر کے لئے وقفہ۔

حضرت مولانا امیر علیؒ مہتمم دارالعلوم کی رحلت سے دوسرے دن ان کی حرم محترم نے طلبہ کے لئے پلاؤ کی دیگ بھجوائی۔ طلبہ بپھر گئے کہ ہمیں طعام میت بھیجتے ہیں۔ میرے ہم درس سید ہاشم تو اچک اچک کر اپنے شرف سادات کی نمائش کرنے لگے۔ ہم سید ہیں ہم سید ہیں۔ ہم پر ایسی چیزیں حرام ہیں۔ دیگ واپس کر دی گئی۔ محترمہ نے دیگ دوبارہ بھیجی اور کہلایا کہ یہ طعام میت نہیں ہے۔ اپنے بچوں کو الوداعی دعوت دے رہی ہوں۔ حضرت مولانا عین القضاۃ ۱۲ ربیع الاول کی دعوت عام میں ناظم صاحب سے اجازت لے کر ہم طلبہ کو مدعو کرتے تھے۔ اس ضیافت میں جیسی بریانی اور مزعفر ہم نے کھائی پھر کبھی نہ ملے۔ مزعفر چاشنی اور زعفران میں غرق لیکن الجھائی لگے۔ میرے رفیق درس سید احمد کے بہاری ذوق پر یہ بقیمت بہتر و بہتر بقامت کمتر شیریں نعمت بار تھی۔ رکابی میری طرف سرکا دیتے تھے کہ مجھے میٹھا مرغوب نہیں۔

قفا نبک من ذکری حبیب و منزل

(۱) عبدالرحمٰن کاشغری کوہ ہندوکش کی گھاٹیاں طے کرتے ہوئے چترال پہنچے عید الفطر کا دن تھا۔ حکمران ریاست ہز چترال کے دربار جشن عید میں عربی قصیدہ سنایا۔ دربار رسالت نے مراسلہ دے کر ان کو اخبار وکیل امرتسر کے اڈیٹر عبداللہ منہاس کے پاس روانہ کیا جس میں لکھا کہ ہندوستان کے کسی اچھے دینی مدرسہ میں ان کو داخل کر دیجئے ان کو ندوہ پسند تھا۔ کاشغری ندوہ آئے تو اردو نہ سمجھ سکتے تھے نہ بول سکتے تھے ایک بنگالی طالب علم وفات پاگئے۔ ہم ان کی میت لے کر ڈالی گنج قبرستان گئے وہاں موٹا تازہ لنگور گھوم رہا تھا۔ کاشغری نے یہ سیاہ کب دیکھا تھا۔ مجھ سے پوچھا "ماھذا؟" ریاست علی گھٹ سے بولے "اشوک"۔

کاشغری نے بر وقت بر وزن برجستہ جواب میں کہا "........" کاشغری چینی ترکستان سے سرحد افغانستان میں داخل ہوئے تو افغان پہرے دار نے روکا اور افغانستان میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ انہوں نے اپنے سر کی پگڑی اسے دے کر اپنا پیچھا چھڑایا۔ اس واقعہ کی بنا پر افغانوں سے خوش نہیں تھے کہتے تھے۔

زنگ است است ز زاغ خاں خاں شنیدم

(۲) سید ابوالخیر۔ خوش اندام خوش وضع چہرہ دمکتا ہوا۔ مزاج میں نزاکت و نظافت ایک روز ہم دونوں نخاس کے قریب باتیں کر رہے تھے۔ تانگوں کی کھٹ کھٹ طبع لطیف پر گراں تھی، دونوں ہتھیلیاں کانوں پر رکھ لیں کھلانے پلانے میں حاتم تھے تکیہ کلاں سے مزیدار پکوان آتے تو مجھے اور میرے کلاس فیلو سعد الدین کو شکم سیر کر دیتے ایک دفعہ میرے لئے خاص گھر سے ناریل کا حلوا بنوا کر لائے۔ جدھر جھکتے بس جھک ہی جاتے شاعری کرنے لگے تو مجسم شعر بن گئے۔ دہلی والوں سے لکھنؤ کی اردو کا معرکہ گرم رکھتے تھے سینہ تان کر کہتے تھے ؎

دعویٰ زبان کا لکھنؤ والوں کے سامنے
اظہار بوئے مشک غزالوں کے سامنے

نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی کو ہم ندوہ والوں سے قلبی لگاؤ تھا اور ہم بھی جب جب وہ لکھنؤ آتے تو ان کے لئے دعوت جائے آراستہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دارالعلوم آئے تو جلسہ ہوا۔ ابوالخیر دھڑلے کھڑے ہو گئے اور جھوم جھوم برجستہ عربی تقریر کر ڈالی۔

(۳) عبدالرزاق ملیح آبادی۔ مصر سے فراغت پاکر ندوہ واپس آگئے۔ درجہ تکمیل حدیث میں مولانا سید امیر علی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ موصوف منڈر۔ بے باک تھے،

عبدالرزاق خاں پرجوش جرنلسٹ تھے ایک دن طلبہ کے ہفتہ وار جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے بولے، جنگ بلقان میں بلگریا، سربیا، یونان، مانٹی نیگرو برحق تھے اپنی سلافی نسل کو ترکوں کی غلامی سے نکالنا چاہتے تھے کہتے تھے کہ ہندوستانیوں کو چاہئے کہ ترکوں کو ویسے نکل کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیں!

میں تھا "مسلم نیشنلسٹ" انکی مخالفت کرتا تھا۔ ایک دن جلسہ میں تقریر کر رہے تھے جوش میں آکر بولے ترکی ٹوپی اٹلی میں بنائی جاتی ہے۔ اور اٹلی نے طرابلس کا الحاق کر لیا ہے یہ کہہ کر سر سے ترکی ٹوپی اتار کر پھینک دی۔ میرا ساتھی سعد الدین اور سید ہاشم نے بھی اپنی ٹوپیاں اتار کر پھینک دیں۔ دو دن کے بعد پھر یہ ٹوپیاں ان تینوں کے سر پر آگئیں۔

امیر حبیب اللہ خاں زمانہ والی افغانستان شہید کر دئے گئے۔ میں نے اور سید ہاشم نے مولانا سید امیر علی مہتمم دارالعلوم سے استدعا کی کہ آج بطور تعزیت تعطیل کر دی جائے عبدالرزاق صاحب مخالفت پر تن گئے بولے امیر حبیب اللہ خاں نے ترکوں کی حمایت میں انگریزوں کے خلاف ہندوستان پر فوج کشی کیوں نہ کی۔

مہتمم صاحب نے ان کی بات مانی اکتوبر نومبر ۱۹۱۷ء میں بہار کے اضلاع آرہ، شاہ آباد فرقہ وارانہ فساد کی لپیٹ میں آگئے سادات کے خاندان کے خاندان فنا کر دیے گئے۔ رفاہ عام میں مسلمانوں کا پرجوش اجتماع ہوا دہلی کے ایک تاجر لٹے ہوئے مسلمانوں کی مالی امداد کر کے آئے تھے۔ جلسہ میں چشم دید مظالم سنانے لگے۔ مجمع میں کہرام مچ گیا۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے ضبط نہ ہو سکا۔ غیظ و غضب سے لبریز تقریر کرنے لگے۔ عبدالرزاق کو وقت کی نزاکت کا احساس ہی کب تھا۔ مولانا سے بھڑک گئے۔ للکار کر بولے وہاں آپ کو ہندوؤں کے خلاف جلال آگیا۔ اور عراق و شام میں پیش قدمی کرتے ہوئے انگریز جو مظالم ترکوں پر ڈھا رہے ہیں۔ ان کے خلاف ایک لفظ آپ آج تک نہیں بول سکے مجمع سے گالیوں کی بوچھار ہو رہی تھی اور یہ ملیح آبادی شیر برابر دندناتے چلا جاتا تھا۔

(۳) شاہ معین الدین احمد ندوی (آہ ان کو مرحوم لکھتے ہوئے جگر شق ہوتا ہے) جاذب نظر خندہ رو، خندہ پیشانی، حسن صورت حسن سیرت کے جامع، جامہ زیب مجسم شرافت، ذہین، فطین، خوش طبع، خیر الانام (مولانا اکرم خاں بنگالی اخبار محمدی کے اڈیٹر کے فرزند) سے کہتے تھے کہ بنگالی فارسی کا سبق ایسے یاد کرتا ہے۔ "مور، مور کے معنی سینگ، کون سینگ؟ جو بانٹ کی دکان پر خبری کھاتا ہے یا کڑوو تو کاٹ کھاتا ہے"۔

(۴) نور الحق ندوی پشاوری جواب اسلامیہ کالج پشاور میں ڈین کے عہدہ پر فائز تھے اور بعد میں پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوئے، دارالعلوم میں ایک دلچسپ عجوبہ تھے۔ گھر سے نانی کی رحلت کی اطلاع آئی تو مجھ سے بولے فضل قدیر صاحب "امارا نانی مرگیا۔ فضل البیان (بڑا بھائی) کو نہیں بتاتا ہوں وہ روئے گا۔"

پشاور میں ان کا اپنا بنگلہ ہے اپنا موٹر ہے۔ بنگلے میں مالٹا، سنترہ کا پربہار باغ ہے۔ بیگم عراقی ہیں۔ بے حد مہمان نواز۔ میں گیا تو میز پر نعمتوں کا ڈھیر لگا دیا۔

(۵) اسعد الدین ندوی مرحوم (مولوی عبدالباری ندوی مرحوم کے برادر خورد جامعہ ملیہ دہلی میں عربی کے استاذ) سال سوم سے سال ہشتم تک میرے ہم درس رہے۔ مقابل — اچھے مقرر، دوستوں کے مخلص دوست۔ ان کو تنہا کھانا نہیں آتا تھا۔ ایک پیسہ کے تین پاؤ سنگھاڑے ملتے تھے۔ خود کھاتے مگر تنہا نہیں دوستوں کو شامل کرتے تھے۔ ایک دن ہم دونوں میں کھٹ پٹ ہو گئی۔ سید کلیم بہرائچی نے ارے اکھو کہہ کر مجھے خاموش کر دیا۔ تھوڑی دیر میں ان کے گھر گدیہ سے اودھ والوں کی فصل کی چیز رساول آگئی۔ میں سمجھ گیا کہ اب سعد الدین کو رساول کھلانے کی غرض سے مجھ سے معافی مانگنی پڑے گی۔ سو ایسا ہی ہوا۔

(۶) سید ہاشم ندوی۔ سال سوم سے سال ہشتم تک ساتھ رہا (ایک سال بیمار پڑ گئے تھے) بے حد ذہین، لائق و فائق۔ تقریر کے بے حد شوقین، مزاج میں تلون۔ ابھی آگ بگولا۔ ابھی کھل کھلا رہے ہیں۔ ایک بار میں ان کو ادارۃ المعارف حیدرآباد دکن خط میں لکھا کہ آپ تھے "مکرٍّ مفرٍّ مقبلٍ مدبرٍ معاً"۔ جواب میں لکھتے ہیں۔ معاف کیجیے میں امرؤ القیس کا گھوڑا نہیں ہوں۔

(۷) سید احمد ندوی۔ سال سوم سے سال ہشتم تک میرے رفیق درس۔ درسیات میں قابلیت کے اعتبار سے ہم سب پر فائق۔ سالانہ امتحان کی تیاری میں ہم سب ان سے کتابیں دہراتے تھے جتنے قابل تھے اتنے ہی سادہ لوح۔ ایک بار بادشاہ باغ میں نیم کی درخت کی طرف انگلی اٹھا کر میں نے پوچھا کہ یہ کونسا درخت ہے۔ بولے "جامن کا درخت ہے"۔

(۸) شاہ جعفر ندوی، ان کو ندوی کہلانا اتنا پسند نہیں جتنا پھلواروی کہلانا پسند ہے۔ غضب کے خوش گو۔ خوش طبع باغ و بہار شاعر عربی، اردو میں قابل ادیب ایک عجیب کمال دکھایا۔ میں نے ان کی دونوں آنکھوں پر موٹی چادر کس کر باندھی اور دونوں ہاتھ پشت کی جانب باندھے۔ پھر غلام گردش میں کونے سے دس بارہ گز ٹیڑھی میڑھی لکیر کھینچ کر کہا چلئے، چلے تو کیا مجال کہ کوئی قدم لکیر سے ادھر ادھر ہو۔ لاہور ٹیلی ویژن پر جلوہ افروز ہوتے ہیں

(۹) عبداللہ بابو ندوی۔ دارالعلوم میں داخل ہوئے تو گھر سے عرف بابو ہو کر آئے در مدح خود کہتے تھے "بابو بیک نقطہ یابو شود، بیا منشی بدہ تا کہ قابو شود"

میرے زمانہ میں ان کا شمار طلبہ کے متوسط طبقہ میں تھا نہ بڑوں میں نہ چھوٹوں میں لیکن وضع قطع کے اعتبار سے کچھ امتیازی حیثیت نمایاں تھی۔ اور ہر دل عزیز تھے۔ میں ۶۰ سال کے بعد لکھنؤ آیا اور ان سے گونڈہ جا کر ملا۔ اب یہ حکیم عبداللہ ندوی تھے اور نیپال کی ترائی میں مذوق سے پلنگ پکڑے ہوئے ہیں چیتوں کے سر دیوار پر آویزاں تھے اور ایک سالم چیتا حنوط شدہ کمرہ ... اب کراچی ان کا وطن

بکثرت ہے۔

آہ۔ اے ہم نفسان محفل ما
رفتید ولے نہ از دل ما

میں نے سال ہشتم کے کمرہ میں دیوار پر لکھ دیا، درجۂ ہشتم ہے بس ان پانچ بیروں کی لڑی
سید وسعد وظفر مشتاق اور فتح علی
کسی جلبلے نے ہ پ ب بڑھا کر بھڑوں کی لڑی بنادیا۔

ایک بار استاذی مولانا شبلیؒ نے دسترخوان پر طلبہ سے پوچھا کہ ماش کی دال پکوائی جائے یا ارہر کی۔ ہم تین پنجابیوں، راقم، محمد خالد، محمد حسن خاں بھجری نے دال ماش کو ووٹ دیا اور دکنیوں، اعظم گڑھیوں، بہاریوں نے ارہر کو ووٹ دے کر جتا دیا۔ مجھے ان کے پوری دکنی ذوق کی کج ذوقی پر حیرت ہوئی۔

پہلی جنگ عظیم سے کچھ گرانی پیدا ہو گئی تھی۔ تب بھی آج کی ہوش ربا گرانی کے مقابلہ میں بے حد ارزانی۔ خالص گھی بناسپتی گھی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ کھانے کی جنس سات روپیہ ماہانہ تھی۔ دار الطعام میں لکڑی کے تخت کے اوپر دری کا فرش اور سفید دسترخوان دونوں وقت گوشت کی طشتری اور ڈونگوں میں دال۔ اس جنس میں شبرات کا حلوہ بقرعید کے دن بریانی اور ایام نحر میں تین دن تک قورمہ، زردہ۔ استاذی شیخ محمد عرب قربانی کا گوشت بھیجتے تھے۔ ایک بار نہیں بھیجا۔ میں درسیات میں تو کبھی ممتاز نہ تھا لیکن اس دور کی سیاسی سرگرمی کی وجہ سے مجھے طلبہ میں سینیارٹی حاصل تھی۔ عرب صاحب کا بکرا گھاس چر رہا تھا۔ طلبہ میرے پاس آئے اور بولے کہ عرب صاحب کا بکرا کیوں نہ ذبح کرکے کھایا جائے۔ میں نے اجازت دی۔ اس خبر پر کہ عرب دار العلوم آئیں تو ان سے بخشوا لیا جائے۔ عرب صاحب کے بجائے ان کے فرزند استاذی خلیل عرب سے معذرت کرنے گئے تو ہنس کر فرمایا، ارے شریر جاؤ ہم نے معاف کیا۔

بیاں خواب کی طرح جو کر رہا ہے
یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا

ندوہ کے طلبہ اور جمود، دونوں متضاد

میں ایک بار بستی نظام الدین دہلی تبلیغی مرکز میں گیا۔ مولانا محمد یوسفؒ سے میں نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔ میں نے پوچھا کہ ملک میں کسی دینی درسگاہ سے آپ کو تعاون حاصل ہے؟ بولے "ہاں ندوۃ العلماء۔ ندوہ کے طلبہ ہمارا پروگرام لے کر گشت کرتے رہتے ہیں۔"

تاریخ کا قرآنی نام ہے۔ "ایام اللہ" میں جس روز دار العلوم میں داخل ہوا۔ اسی دن شام کو طلبہ کی لائبریری "الاصلاح" میں گیا۔ دیکھا کہ کئی الماریاں تاریخی کتابوں سے بھری پڑی ہیں۔ میں نے "وہ دہ امیری (امیر عبد الرحمن خاں فرمانروائے افغانستان کی خود نوشت) خیابا فارس، تاریخ بابل و نینویٰ۔ دربار اکبری کا مطالعہ یہیں کیا۔

تحریک خلافت سے پہلے قدیم طرز کے عربی مدارس میں اخباروں کا داخلہ ممنوع تھا کہتے تھے، اخباروں میں جھوٹی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ مگر ندوہ تو جدید و قدیم کا آمیزہ ہے سرشام ہی میزوں پر اردو، انگریزی، مصر سے آئے ہوئے عربی اخبار "اللواء" وغیرہ رکھ دیے جاتے تھے۔ اس دور کے رسائل زمانہ، ادیب، مخزن، دل گداز باقاعدہ آتے تھے۔ الہلال کی پوری فائل۔ منفلوطی کا النظرات میں نے یہیں پڑھا۔

دار العلوم میں جمعہ کے دن ایک متعین عنوان پر طلبہ تقریر کرتے تھے۔ ایک بار "تیغ و قلم میں مناظرہ" عنوان متعین ہوا۔ سعد الدین مرحوم قلم کے وکیل تھے اور میں تیغ کا وکیل۔ مولوی عبد الرحمن نگرامی مرحوم اور مولوی ابو الجلال حکم مقرر ہوئے۔

سعد الدین نے کھڑے ہوتے ہی کہا کہ مجھے قلم سمجھئے پھر یہ شعر پڑھا ؎

قلم گوید کہ من شاہ جہانم
قلم کش را بدولت مے رسانم

میں تقریر لکھ کر لے گیا تھا۔ سعد الدین تقریر کر رہے تھے کہ اس شعر کے جواب میں سوچتے سوچتے یہ شعر بن گیا ؎

تیغ می گوید کہ من کشور کشایم
تیغ زن را من بہ سلطانی رسانم

تقاریر اور بھی ہوئیں۔ سعد الدین کو اول قرار دیا گیا، اور مجھے دوئم۔

میرے لڑکپن کے زمانہ کا ایک واقعہ، ایک روز افغانستان کے خلزئی قبیلہ کا ایک قافلہ میرے شہر کی جامع میں آ اترا۔ نماز مغرب کے بعد ایک بھاری بھر کم افغانی نے والد مرحوم سے کہا کہ "ہمیں لکھنا نہیں آتا۔ آپ فارسی میں ہمارے گھر کا رقعہ لکھ دیجئے کہ ہمارا بھائی عبد الرحمن مر گیا۔ مرنے کا کوئی افسوس نہیں موت برحق ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ کافر کے ملک میں مرا اور کافر کی زمین میں دفن ہوا۔ مجھے یہ فقرہ بھا گیا، عید کا چاند دیکھنے کے لئے جامع کی چھت پر جاتا اور چاند دیکھ کر حسرت سے تکتا کہ وہ مغرب میں کوہ ہندوکش، اور خیبر کی پہاڑیوں کے اس طرف بھی ہلال عید

آزاد مسلمانوں پر چمکتا رہا ہے اور ہم غلام خوش قسمت ہیں وہ مسلمان۔ سیکنڈ مڈل کلاس میں پڑھتا تھا۔ ایک روز والد مرحوم کے کمرہ میں حساب کے سوالات نکالتے ہوئے کاپی پر یہ تک بندی لکھ ڈالی ؎

جانب ہندوستان بس حملہ کر دے بے درنگ
رہ چکے اب ہند کے سلطاں شیاطین فرنگ
غازی افضل قدیر اس وقت آتا ہے بڑھا
جس کے سائے میں چلے آتے ہیں افغاں بے درنگ

والد مرحوم کی نظر اس صفحہ پر پڑ گئی، دانتوں میں انگلی دبا کر مجھ سے بولے، "معلوم ہو گیا کہ تجھے سرکار انگلشیہ سے شدید عناد ہے اگر تیری اس تحریر کی خبر حاکم وقت کو ہو جائے تو میرے زن و بچہ کولھو میں پیل دئے جائیں۔" یہ وہ زمانہ تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں میں انگریز کی خیر خواہی کا چلن رائج تھا، علی گڑھ تحریک کے کسی رکن کے یہ دو اشعار ذوق شوق سے پڑھے جاتے تھے ؎

روسی ہوں یا تتاری ہم کو ستائیں گے کیا
دیکھا ہے ہم نے برسوں لطف و کرم تمہارا
اے جم کے جانشینو کچھ بے نواؤں کو دو
بس ملک جم تمہارا اور جام جم ہمارا

ایک واعظ دھوم دھام سے وعظ کرتے ہوئے گرج کر بولے، غدر میں انگریزوں نے نواب جھجر عبد الرحمن خاں کو پھانسی پر لٹکا دیا، لیکن ہم کیا کریں، اسلام نے ہم کو گورنمنٹ انگریزی کی اطاعت کا حکم دیا ہے میں ندوہ آیا تو پورا ماحول اپنی فرنگی دشمن طبیعت کے مطابق پایا۔

پہلی عالم گیر جنگ میں زور کا رن پڑ رہا تھا۔ ترکوں کی جرار فوجیں جرمنوں کے دوش بدوش فرانس کے محاذ پر صف آرا تھیں، عراق و شام میں خلافت عثمانیہ کی عرب افواج انگریزوں سے مل گئیں اس لئے انگریز بے روک ٹوک بڑھ رہے تھے۔ ہم طلبہ کا خون کھول رہا تھا۔

میں مئی ۱۹۱۸ء میں یکایک بیمار پڑ گیا۔ دورہ ایسا پڑا کہ سارا بدن بے جان سا ہو گیا۔ مولانا شبلی نے گھبرا کر میرے گھر ٹیلی گرام بھیج دیا، مجھے یقین ہو گیا کہ میں دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں لیکن اس نازک حالت میں نہ ماں باپ یاد آئے نہ بھائی بہن۔ نہ یہ غم کہ پردیس میں جان دے رہا ہوں۔ بعض اس حسرت سے بے تاب تھا کہ افسوس انگریزوں کا ملک پر سے منحوس سایہ اٹھتا نہ دیکھ سکا۔ میں سال چہارم میں تھا۔ سردی خوب پڑ رہی تھی۔ رات کو جب تمام طلبہ سو جاتے اور مولانا شبلی کے حقہ کی گڑگڑاہٹ بند ہو جاتی تو انگریزوں کے خلاف قلمی اشتہار تیار کرکے موتی محل کے پل پر رکھ آتا تھا اور دار العلوم کے سامنے پارک کی تاروں کے ساتھ لٹکا آتا تھا۔ عراق و عرب میں خلافت ترکان عثمانی کا دمدمہ ٹوٹ رہا تھا تو یوں کی ترکوں سے بغاوت زوروں پر تھی کہ طلبہ بلبلا اٹھے اور

جمعہ کے ہفتہ وار جلسے میں انگریزوں کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کرنے لگے۔ سی آئی ڈی بھی مختلف عنوان رنگا رنگ بھیس میں آنے لگی۔ ایک دن کو ای تعطیل تھی کہ ضیاء الحسن علوی ندوی علیگ انسپکٹر مدارس عربی دار العلوم میں آدھمکے اور جلسہ کرکے طلبہ کو دھمکانے لگے کہ "ہمیں معلوم ہے کہ آپ لوگوں میں گورنمنٹ کے خلاف باغیانہ خیالات پیدا ہو گئے ہیں۔ ہم آپ کی خبر آپ کے گھر تک لے لیں گے۔" دس روز عبد الرزاق ملیح آبادی گھر گئے ہوئے تھے۔ اگر یہاں ہوتے تو ہنگامہ ہو جاتا۔

ضیاء الحسن صاحب خوش چہرہ تھے۔ سنتے ہیں کہ جب وہ دار العلوم میں پڑھتے تھے تو طلبہ کے مشاعرہ میں اس مصرع طرح پر غزلیں سنائی گئیں،

وہ بزم بے فروغ ہے جس میں ضیا نہ ہو

موصوف کی یہ بے جا دخل اندازی مصلحت اندیش ارکان انتظامیہ کو ناگوار ہوئی۔ چنانچہ جلسے میں یہ معاملہ پیش ہوا۔ نسیم صاحب ایڈووکیٹ (جامعہ ملیہ کے استاد مجیب صاحب کے والد) بھڑک کر بولے "ارے وہ محسن کا کورا دیکھا لڑکا دار العلوم میں آکر طلبہ کو دھمکاتا ہے۔" بعد کو مولوی مسعود علی ندوی نے بھی ضیاء الحسن صاحب کی خوب خبر لی۔

خلافت ترکان عثمانی کا مرقع الٹ رہا تھا، ریشمی رومال والی تحریک سے باہر علماء سوچ رہے تھے کہ مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے مخفی طور پر نہیں علانیہ علماء کو جھنجھوڑا۔ انہوں نے ۱۹۱۹ء میں پورے ہندوستان کے مشاہیر علماء کو فرنگی محل میں مدعو کیا۔ اور مجلس میں فرمایا کہ علماء کو دین و ملت کے تحفظ کے لئے رزم گاہ سیاست میں کود پڑنا چاہیے۔ ہم طلبہ بھی گئے۔ سر وزیر حسن بے بلائے آدھمکے اور لگے ڈانٹ پلانے علماء کو کہ آپ کو سیاست کے پھٹے میں ٹانگ اڑانے کا حق کس نے دیا ہے، مولانا عبد الباری انہیں سمجھانے لگے تو یہ برٹش اینا ڈگ نائٹ اور اکڑ کر بولے "واہ مولانا گھر بلا کر ہم سے آپ کا یہ طرز خطاب"۔ حکیم اجمل خاں اٹھے اور وہ مدلل و مسکت تقریر کی کہ موصوف مہر بلب رہ گئے۔

میں ۱۹۲۰ء میں فائنل امتحان دے کر گھر چلا گیا۔ ایک ہفتہ کے بعد مولانا حکیم عبد الحیٔ ناظم دار العلوم کا نامہ گرامی والد مرحوم کو ملا جس میں تحریر فرمایا کہ "الحمد للہ محمد فضل قدیر ندوہ سے فراغت پا چکے ہیں اب ان کو دار العلوم نہ بھیجئے۔ ان کا سیاسی طرز عمل دار العلوم کے مصالح کے لئے مضر ہے۔" والد مرحوم نے مجھے یہ تحریر دکھا کر فرمایا، "دیکھو یہ ہے تیرا نامۂ عمل۔"

مجھے یہ کب گوارا تھا کہ خوش سواد دار العلوم ندوہ سے یوں یک لخت محروم ہو جاؤں۔ بہانہ

تراشا کہ مجھے فن ادب کی تکمیل کی اجازت دیجئے "فرمایا کہ اگر جانا ہے تو ناظم صاحب سے دوبارہ گزارش کرو۔ میں دار العلوم آیا اور استاذی مولانا عبد الغفور صاحب سے گزارش کی کہ ناظم صاحب سے میری سفارش کریں۔ ان کے ہمراہ استاذی مولانا شبلیؒ بھی تشریف لے گئے اور ناظم صاحب سے کہا کہ "ہم اساتذہ نے ان کو ہمیشہ مؤدب پایا۔ سفارش منظور ہوئی مگر اس شرط پر کہ میں کسی سیاسی جلسہ میں نہیں جاؤں گا۔ مولانا عبد الغفور صاحب نے مجھے آگاہ کیا کہ یہ شرط قبول کرنا ہو گی اور میری اجازت کے بغیر کسی بھی جلسہ میں نہیں جاؤ گے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ظفر الملک ایڈیٹر "الناظر" گرفتار ہو گئے۔ یہ ہندوستان میں پہلی گرفتاری تھی مقدمہ چلا۔ طلبہ کارروائی دیکھنے کے لئے جانے لگے۔ میں نے مولانا سے اجازت مانگی بولے "بھئی تم کب ماننے والے ہو۔ جاؤ۔" میرے لئے درجہ تکمیل ادب کھل گیا۔ مولانا سید علی، مولانا خلیل عرب، مفتی محمد یوسف، مولانا عبد السبحان میرے استاذ مقرر ہوئے۔

تحریک خلافت

پہلی جنگ عالم گیر کا خاتمہ جرمنی، ترکی، آسٹریا، بلگیریا کے سقوط پر ہوا۔ قسطنطنیہ اور اماکن مقدسہ پر تثلیث کا پرچم نصب ہو گیا۔ رولٹ ایکٹ کے نفاذ اور جلیان والا باغ امرتسر کے خونی واقعہ نے پورے ملک میں آگ لگا دی۔ مولانا عبد الباریؒ نے فرنگی محل سے تحریک خلافت کا صور اسرافیل پھونکا جمعیۃ علماء ہند خلافت۔ کانگریس نے متفقہ طور پر کلکتہ میں برٹش گورنمنٹ سے ترک موالات کا ریزولیوشن پاس کیا۔ علی برادران علی گڑھ کالج پہونچے۔ طلبہ کو ترک موالات پر آمادہ کرنے لگے۔ مگر ناکام رہ گئے۔ ایک سو بیس طلبہ نے علی برادران کی پیشکش قبول کی جن کو سید محمد علی مونگیری کالج نے پولیس بلکہ کالج سے نکال دیا۔ میں نے رات کے کھانے کے بعد خیر الانام کو کمرہ سے باہر غلام گردش میں بلا کر کہا کہ "علی گڑھ کالج کی بات دوسری ہے۔ دار العلوم دینی درسگاہ ہے، کیوں نہ ہم طلبہ تحریک چلا کر گورنمنٹ کی پانچ سو ماہانہ گرانٹ ان ایڈ بند کرا دیں۔ بنگالی انقلابی تو ہوتے ہی ہیں۔ چھاتی پر ہاتھ مار کر زور سے بولے۔ "فضل قدیر صاحب سب سے پہلے میں آپ کے ساتھ ہوں۔ دوسرے دن نماز عصر کے بعد طلبہ کا پر جوش جلسہ ہوا۔ انگریزوں کے خلاف پر جوش تقاریر ہوئیں۔ ایک نوٹس پر تمام طلبہ کے دستخط ہوئے۔

نوٹس میں مجلس انتظامیہ سے مطالبہ کیا گیا کہ ایک ماہ کے اندر سرکاری گرانٹ بند کر دی جائے اور فیصلہ تک ہم تعلیم بند کرتے ہیں اگر ہمارا مطالبہ نہ مانا گیا تو دار العلوم کی عمارت پر ہمارا قبضہ ہو گا اور ہم خود دار العلوم کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ یہ وہ وقت تھا کہ پورا برصغیر انگریزوں کا دشمن بن چکا تھا۔ مولانا حفیظ اللہ خطاب یافتہ شمس العلماء تھے مگر وہ بھی ترک موالات سے متفق تھے، اور فرماتے تھے کہ جو علماء ترک موالات کو تسلیم نہیں کریں گے وہ مداہنت فی الدین کے مرتکب ہوں گے۔ میں دار العلوم میں اس تحریک کا محرک تھا۔ لیکن تحریک کی کامیابی کا سہرا خیر الانام کے سر ہے۔ وہ نشر و اشاعت کے لئے کانپور سے کافی مقدار میں رقم لائے اور اپنے ہمراہ مولانا آزاد سبحانی کو لے کر آئے جنہوں نے طلبہ کے جلسہ میں مدلل تقریر سے تذبذب کا ازالہ کر دیا۔ اسی اثنا میں گاندھی جی اور علی برادران لکھنؤ آئے ہیں اور خیر الانام ان کی قیام گاہ پر گئے اور ان کو دار العلوم آنے پر آمادہ کیا۔ رفاہ عام میں جلسہ کے بعد رات کو ۱۰ بجے گاندھی جی، علی برادران مولانا عبد الباری دار العلوم پہنچے۔ انہوں نے ہال میں قدم رکھا ہی تھا کہ میں نے بلند آواز سے کہا۔ "مہاتما گاندھی کی جے" یہ میرا جیکارہ اساتذہ کرام کو ناگوار ہوا۔ مولانا شبلی نے مجھے بہت ملامت کی۔ جب بر راہ نمایاں وقت اسٹیج پر فروکش ہو گئے تو گرانٹ کا معاملہ پیش ہوا۔ گاندھی جی بولے۔ "گرانٹ ضرور چھوڑ دینی چاہئے۔ مولانا عبد الباری نے سوال کیا کہ پھر دار العلوم کا خرچ کیونکر چلے گا۔ شوکت علی صاحب جلد جلد بولے "ہم تو اسی لئے گھوم رہے ہیں، ہم تو اسی لئے گھوم رہے ہیں۔" ہمارے نوٹس پر غور کرنے کی غرض سے پورے ملک کے ارکان انتظامیہ جمع ہوئے۔ مولانا حبیب الرحمن شروانی اور مولوی سر رحیم بخش پریذیڈنٹ کونسل ریاست بہاولپور نے اختلاف کیا۔ باقی تمام ارکان نے ہمارا مطالبہ منظور کیا، دار العلوم کھل گیا تعلیم باقاعدہ جاری ہو گئی۔ لیکن دار العلوم میں سیاست کا بازار گرم ہی رہا۔ استاذی مولانا عبد الودود صاحب دار الاقامہ کے انچارج تو تھے ہی اب سیاسی سرگرمیوں کے بھی انچارج ہو گئے۔ خلافت کے مرکزی دفتر سے احتجاجی ہڑتالوں کا اعلان ہوتا تھا اور مولانا طلبہ کو گروہ در گروہ بازاروں میں دکانیں بند کرانے کی غرض سے بھیجتے تھے۔ تحریک خلافت کے بارے میں ایک نظریہ ہے کہ ایک حرکت تھی بلا مقصد، ایک سفر تھا بلا تعین منزل" یہ نظریہ خود بے حرکت اور بے مقصد۔ اگر تحریک خلافت فرنگی کے رعب و دبدبہ کا طلسم پاش پاش نہ کر دیتی تو ہمارے قومی اداروں میں یہ ترانہ اب تک گایا جاتا ؎

تم خیر خواہ دولت برطانیہ رہو گے بھی انکا فیض ہو ایرا جال نظر

تحریک خلافت کی طرف سے پورے ہند میں ترکوں کے لئے سمرنا فنڈ جمع کیا جا رہا تھا بہرائچ کی ضلعی خلافت نے اس فنڈ کے لئے دار العلوم سے ورکر مانگے۔ مولانا عبد الودود صاحب نے مجھے بھیجا۔ بہرائچ کے دیہات میں سادہ لوح مسلمان مجھ سے پوچھتے تھے۔ "مولبی صاحب کا مہاتما گاندھی امام مہدی رہے۔" میں اپنے مسلم جنٹلمینی مزاج کے مطابق ان کو جواب دیتا تھا یہ افواہ عام پورب میں پھیل گئی تھی کہ امام آخر الزمان گاندھی کی صورت میں ظاہر ہو گئے ہیں یہ تو حال تھا عوام کا اور ہمارے خواص ہے۔ دار المصنفین میں سر مظہر الحق بیرسٹر پٹنہ۔ ڈاکٹر سید محمود۔ عبد المجید خواجہ مہمان تھے میں بھی وہاں گیا ہوا تھا۔ ایک صبح کو ناشتہ کے دسترخوان پر لگے راگ الاپنے۔ "من تو شدم تو من شدی" سید سلیمان ندوی سے نہ رہا گیا۔ بارعب انداز سے بولے۔ "لکھنؤ کابل بہتر ہے۔ بنارس سے طہران بہتر ہے۔ دہلی سے قسطنطنیہ بہتر ہے۔"

مولانا عبد الودود صاحب نے خلافت ورکر کی حیثیت سے فضل الدیان پشاوری، عبد السلام صبا اور شاہ احمد حبیب کو سیتاپور بھیجا تینوں وہاں پہونچتے ہی گرفتار ہو گئے۔ ٹیلی گرام سے گرفتاری کی اطلاع پہنچی تو ان کی خبر گیری کے لئے مجھے اور عبد الرحمن پشاوری کو بھیجا گیا۔ ہم بہرائچ کچہری پہونچے تو وکیلوں کا ہجوم تھا۔ ہم سے سب کہتے تھے کہ ہم بلا فیس کیس لڑیں گے۔ میں یہی جواب دیتا تھا کہ گاندھی جی کا حکم ہے کہ مقدمہ میں صفائی پیش نہ کی جائے۔ پیشی جیل کے اندر ہوئی لکھنؤ کے مشہور پولیٹکل لیڈر گوکرن ناتھ کے چھوٹے بھائی ہر کرن ناتھ مجسٹریٹ کیس سننے کے لئے جیل میں آئے۔ ان کے چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان کو چھوڑنا چاہتے ہیں۔ کرسی پر بیٹھے ہی پوچھا کہ "صفائی پیش کیجئے گا۔" عبد السلام صبا نے میری جانب دیکھا، میں نے کہا: "نہیں۔" پولیس کے انسپکٹر (یہ تھے حافظ قرآن) انسپکٹر مارے ندامت کے آواز گلوگیر تھی) کی شہادت کے بعد فیصلہ سنا دیا گیا۔ "تین ماہ قید" یہ الفاظ سنتے ہی عبد السلام بولے "الحمد للہ" میں نے بلند آواز سے نعرہ لگایا "اللہ اکبر" جیلر بولا "میں تو ہیں عدالت، ہم اس رات ضلع کانگریس کے دفتر میں ٹھہرے۔ کانگریسیوں کا جم گھٹا ہو گیا۔ کانگریس کے سکریٹری ایک خوبرو برہمن تھے، کہنے لگے کہ "صاحب ہندوستان پر انصاف سے حکومت مسلمان ہی کر سکے گا۔"

مولانا عبد الودود صاحب نے سمرنا فنڈ جمع کرنے کی غرض سے مجھے اور نذیر احمد (میرے بعد فارغ التحصیل ہونے والے تھے) کو ضلع فیض آباد کے دیہات میں بھیجا۔ ہم گاؤں سے اتر کر سیدھا چلے اور رات کو سوتے ہوئے گاؤں کے مکھیا کو جگایا، اس نے ہمیں اپنے مردانہ میں ٹھہرایا۔ ہم صبح کو نماز فجر سے فارغ ہو کر دوسرے گاؤں چل دیئے۔ قریب کے تھانے میں جب ہمارے بارے میں اطلاع ہوئی تو حوالدار آکر مکھیا کو ڈانٹا کہ تم نے سرکار کے دشمنوں کو کیوں مہمان رکھا، مکھیا بولا "ہم تم سے نا ہیں ڈربا۔ ترے لاٹ کمشنر سے نا ہیں ڈربا۔ ابھی ہمیں یاد جانت ہے۔ کانگریس میں اپنا نام لکھوانت ہے۔" چنانچہ وہ چلا گیا۔

دیہات میں مرد و زن کا رات کو جلسہ ہوتا تھا۔ جب میں سناتا تھا کہ یونانی وحشیوں نے ترکوں کے بچوں کے پیٹ سنگین سے چھید ڈالے تو مستورات سسکی کرتی تھیں، اور زیور اتار کر ڈھیر لگا دیتی تھیں۔ مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے بارہا اعتراف کیا کہ ندوہ کے طلبہ خوب کام کر رہے ہیں، ایک صحبت میں مولانا نے مجھے بتایا کہ وہ انگریزوں کے خلاف جد و جہد میں نوے ہزار روپیہ صرف کر چکے ہیں۔ مولانا تحریک آزادی کے بارے میں مولانا فرماتے تھے کہ مولیٰ روح مصطفے کمال ہیں۔

عبد الحلیم شررؔ کے ناول کا مجھ پر اثر

ایک دن اسکول سے آکر خالد کے گھر گیا تو صندوق پر شرر کا ناول "ملک العزیز ورجنا" پڑا تھا۔ اٹھا کر اوراق پڑھتے ہی شجاعان اسلام اور مسیحی سورماؤں میں معرکہ چشم تصور کے سامنے آگیا۔ اور اسی وقت پختہ عزم کر لیا کہ جب بڑا ہو جاؤں گا اور تعلیم حاصل کر چکوں گا تو آفریدی مہمند قبائل کا لشکر لے کر ہندوستان میں انگریزوں پر حملہ کر دوں گا۔ اسی ترنگ میں تک بندی کر ڈالی جس کا ذکر آچکا ہے۔ اب اسی عزم کو پورا کرنے کے لئے قدم اٹھاتا ہوں۔ میں نے مولانا ابو الکلام کو خط لکھا۔ خط کا عنوان یہ تھا

بیا تا گل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

پیغام آیا کہ لکھنؤ سے کلکتہ دور ہے اگر آپ صوبہ متحدہ کے کسی شہر میں تشریف لائیں تو مجھے باریابی سے ممنون فرمائیں۔ جواب آیا کہ علی گڑھ آجاؤ۔ تاریخ اور وقت کا تعین کر دیا۔ جنوری کا آخر اور سردی کا زور رات کے تیسرے پہر علی گڑھ پہنچا۔ ٹرین سے اترا تو علی گڑھ کالج کے طلبہ جن کو سید محمد علی نے نکال دیا تھا مہمانوں کی پیشوائی کے لئے موجود تھے۔ پشاور سے ڈاکٹر کچلو کانگریسی، خلافتی لیڈر جامعہ ملیہ کی تشکیل و تاسیس کی غرض سے آ رہے تھے۔ ایک نوجوان نے تعارف کے بعد مجھ سے پوچھا کہ ندوہ میں گرانٹ کا کیا فیصلہ ہوا۔ میں نے کہا "الحمد للہ ہم کامیاب ہو گئے اور مجھے نوکر کوئی

پہنچا دیا گیا۔ وقت مقررہ پر مولانا کے خیمہ میں حاضر ہوا تو صوبۂ پنجاب خلافت کے صدر مولانا عبد القادر قصوری اور ملک لال خاں جنرل سکریٹری پہلے ہی موجود تھے۔ مولانا کے استفسار پر میں نے کہا کہ "انگریزوں کے خلاف ہمارے ملک میں جو خلفشار مچا ہوا ہے۔ صرف اتنے سے انگریز نہیں نکل سکتے۔ باہر سے مسلح حملہ ہونا چاہئے" مولانا بولے، "ہاں ٹھیک ہے تو اس کی صورت؟" میں نے کہا کہ دار العلوم میں افغانی طلبہ سے بولتے بولتے میں نے پشتو میں اچھی خاصی مشق کر لی ہے۔ یاغستان پہنچ کر قبائل کو انگریزوں کے خلاف برانگیختہ کرونگا۔ مولانا بولے "اگر آپ کامیاب نہ ہوسکے تب؟" میں نے کہا، "کامیابی ناکامی میرے پیش نظر نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں اسی مقصد کے لیے پیدا ہوں" مولانا نے فرمایا کہ "اب میں میٹنگ میں جا رہا ہوں عشاء کے بعد پھر آیئے"۔ عشاء کے بعد گیا تو وہی بزرگ پہلے سے موجود تھے۔ ایک منصوبہ طے پا گیا۔ میں اور دونوں بزرگ خیمہ سے باہر آئے تو مولانا عبد القادر قصوری نے مجھ سے کہا کہ "ایسا منصوبہ کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ انگریز تو وہ ہیں جنھوں نے جرمن کو شکست دیدی" میں رات کو سوار ہو کر صبح کو لکھنؤ آ گیا۔ استاذی خلیل عرب نے مجھ سے فرمایا کہ "تکمیل ادب کر کے کیا کروگے۔ تم نے دار العلوم کی گرانٹ بند کرا دی۔ جاؤ دار العلوم کے لئے چندہ فراہم کرو۔

ماورائے سرحد کا سفر:

لکھنؤ کو خیر آباد کہہ کر اپنے وطن کیتھل آیا۔ والد مرحوم نے شہر سے اچھی خاصی رقم فراہم کر کے ناظم صاحب کی خدمت میں بھیج دی۔ ایک ہفتہ ٹھہر کر پشاور چلا گیا۔ حکیم عبد العزیز ندوی و حکیم عبد الجلیل ندوی نے پشاور کے تاجروں اور رئیسوں سے کثیر رقم جمع کر کے دار العلوم بھیج دی۔ چندہ سے فراغت پا کر اپنی دیرینہ آرزو کی تکمیل کی غرض سے شب قدر، ابازئی ہوتا ہوا سرحد پار نکل گیا۔ پھر کیا ہوا۔ کیا کچھ کر سکا؟ یہ الگ داستان ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے مجھے رخصت کرتے ہوئے فرما دیا تھا کہ قبائل کا جائزہ لے کر پھر آؤ اور حالات سے ہمیں آگاہ کرو۔ میں باجوڑ کے سفر سے آ رہا تھا کہ سنگلاخ گھاٹی سے گزرتے ہوئے شلوار ٹخنے سے ران تک ادھڑ گئی ببول کے کانٹے لگا کر ستر پوشی کی۔ پشاور میں معلوم ہوا کہ مولانا بریلی آئے ہوئے ہیں۔ بریلی پہنچا تو مولانا کی قیام گاہ سے باہر مولوی عبد الرزاق خاں ملیح آبادی کھڑے تھے انہوں نے بتایا کہ "آج ترک موالات کے بارے میں مولانا کا مولوی سلیمان اشرف استاذ اسلامیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے مناظرہ تھا۔

مولانا تھک تھکا کر آئے ہیں خیمہ میں اندر جا کر عرض کرتا ہوں۔ مولانا نے مجھے بلا لیا، لیٹے لیٹے روداد سنتے رہے۔ میں نے بتایا کہ قبائل بالشویکوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں رخصت ہونے لگا تو مولانا کی نگاہ کانٹوں سے جڑی ہوئی شلوار پر پڑ گئی۔ یک دم اٹھ بیٹھے اور سینہ پر ہاتھ رکھ کر بولے، "یقین مانئے آپ کی جگہ اس دل میں ہے" میں سرحد پار آیا تو ملک لال خاں جنرل سکریٹری خلافت صوبہ پنجاب نے مجھے اطلاع بھیجی کہ گاندھی جی کو اس منصوبہ کا پتہ چل گیا۔ انہوں نے ناگپور میں مولانا سے حلف اٹھوا لیا کہ وہ ہندوستان سے باہر کوئی منصوبہ نہیں بنائیں گے اور اس منصوبہ کو ختم کر دیں گے۔ چنانچہ ایک بڑی رقم مبلغ دس ہزار جو ایسے ہی کاموں کے لئے مخصوص تھی خلافت پنجاب کو منتقل کر دی گئی۔

شہدائے بالاکوٹ کا قدسی گروہ میدان عمل میں نکلا تھا مگر دیوان قضا و قدر میں جہاں ستانی کے بجائے ان کے حق "بل احیاء" کا فیصلہ ہوا۔ خدائے علیم و بصیر نے تکمیل مقصد کا جو وقت مقرر کر دیا۔ اس سے پہلے کچھ نہیں ہوتا۔ آخر ان نفوس قدسیہ کا اور مجھ ناچیز کا مقصد اپنے مقررہ وقت پر پورا ہو گیا۔ آج اس خطہ زمین پر برطانیہ کا تسلط باقی نہیں۔

الحمد للہ کہ آج شہدائے بالاکوٹ کی آرام گاہ اور میرا مسکن کفر کے نرغہ سے آزاد ہے۔

میرے ندوی بھائیو! یہ تھی دار العلوم میں میری ہشت سالہ سرگزشت۔

بجرنے تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از ذوق حضوری طول دادم داستاں را

شہدائے بالاکوٹ کا پیغام اہل پاکستان کے نام

میں نے "تعمیر حیات" سے یہ پیغام "تنظیم اصلاح پاکستان" کی مجلس میں پڑھ کر سنا دیا۔ سپریم کورٹ۔ ہائی کورٹ کے پینشنر جج اور سینیر ایڈوکیٹ موجود تھے، سن کر تڑپ اٹھے اس وقت پورے پاکستان میں یہ صدا اٹھ رہی ہے کہ قوانین شریعت نافذ کئے جائیں انشاء اللہ داعیہ پاکستان پورا ہو کر رہیگا۔

"لا تقنطوا من رحمۃ اللہ"

ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است

بقیہ صفحہ ۳۱

محمد عمران	کامیاب	محمد عثمان	اول ۱۰	محمد شریف	دوم ۳
مشتاق حسین	ترقی	جہانگیر	" ۵	صفیہ بانو	" ۳
آمنہ خاتون	"	مجیب الرحمان	" ۶	سلمان بانو	" ۴
ابوالحیات	"	شمیم بانو	" ۷	فرحت آرا	" ۵
بی بی فاطمہ	"	محمد عرفان	" ۸	نورجہاں	" ۶
		محمد صغیر	" ۹	سلمیٰ خاتون	کامیاب
درجہ اطفال (ب)		روشن جہاں	" ۱۰	زاہدہ خاتون	"
شاہانہ خاتون	اول ۲	فوزیہ خاتون	دوم ۱	محمد نعیم	"

جن طلبہ کے نام اس میں شائع نہیں ہوئے ہیں وہ ناکام ہیں اور ذیل طلبہ کے نتائج روک لیے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں تفصیلی معلومات کے لیے دفتر معہد سے رابطہ قائم کریں:-

درجہ ہشتم

محمد خالد حسین
محمد ایوب بلاسپوری

درجہ ہفتم

محمد انکشاف خاں
محمد خلیق رہبی
کلیم اللہ بڑناب گڈھی

درجہ ششم

محمد عظیم خاں

درجہ پنجم

ذکاء اللہ
محمد فضل عالم
محمد سیف الدین

چہارم (الف)

پرویز احمد

چہارم (ب)

محمد ارشد
اصغر عزیز

درجہ سوم (ب)

عطاء اللہ نیپالی

درجہ دوم (الف)

عبد الرحمٰن
عتیق الرحمان
محمد یونس
محمد اکرم
اصغر علی
شریف احمد
طاہر قسمر

درجہ دوم (ب)

ممتاز جہاں
محمد نعیم
محمد ہاشم
محمد حنیف
محمد سہیل
قمر الزماں
فیض الحسن
اشرف علی
عارفہ خاتون
خلیل احمد

درجہ اول (الف)

محمد عقیل
انتخاب عالم
معراج احمد
سید اسعد احمد

اسلام احمد
ذکیہ خاتون
عطاء الرحمان
مختار احمد
رضوان احمد
رفیع احمد
محمد سفیان

درجہ اطفال (الف)

محمد اسمٰعیل
شمیم الدین
نظام الدین

درجہ اطفال (ب)

محمد طاہر
احمد علی عرف ہمدم علی

برائے کرم پتہ صاف اور خوشخط لکھیں

مولانا عبد الماجد — حیات و خدمات

مولانا عبد الماجد دریابادی کے متعلق پیامات و مضامین کا مجموعہ۔ شائع کردہ عبد الماجد اکاڈمی اس کی آمدنی مولانا مرحوم کی یادگار پر کے قیام پر صرف ہوگی۔ قیمت: ۵ روپیہ۔ قیمت کے ساتھ محصول رجسٹریشن ۲ روپیہ ۷۰ پیسے ارسال کی جائے۔

وی۔ پی میں محصول تین روپیہ سے بھی زائد پڑ جاتا ہے۔

عبد الماجد اکاڈمی۔ ۸۔ کچہری روڈ۔ لکھنؤ

فریضۂ دعوت الی اللہ

مولانا محمد اسحاق صدیقی ندوی

امتوں کا ممتاز وجود ان کی دو خصوصیتوں کا مرہون منت ہوتا ہے۔ ان کا مخصوص اجتماعی اور "امتی" مزاج اور ان کا خاص طرز عمل۔ ان دونوں میں سے ایک بھی مفقود ہو جائے یا بدل جائے تو امت اپنے دوسرے خصوصیات بھی کھو بیٹھتی ہے۔ اور آہستہ آہستہ اس کا ممتاز وجود فنا ہو جاتا ہے، پھر کبھی وہ کسی دوسری قوم میں جذب ہو کر بالکل مٹ جاتی ہے، اور کبھی ذلت و خواری کے ساتھ اس طرح بسر کرتی ہے کہ اس کا وجود خود اس کے لئے بار دوش بن جاتا ہے۔ قومی اور "امتی" مزاج کا فقدان اور اس میں انقلاب تو امت کے لئے مہلک ہی ہو جاتا ہے۔ مگر اس میں خلل واقع ہونا بھی شدید ضرر سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں فساد اور نقص امت کے امتیازات و خصوصیات کو دھندلا کر دیتا ہے اور اس کی قوت حیات کمزور ہو جاتی ہے۔

امت مسلمہ کے ضعف و انحطاط کے اسباب پر غور کیا جائے تو ان کا سرا بھی اس کے فساد مزاج میں ملے گا۔ اس امت کے "امتی" اور اجتماعی مزاج میں "دعوت الی اللہ" داخل ہے، اسے ترک کرنے سے اس کے مزاج اجتماعی میں فساد پیدا ہو گیا۔ جس نے اس کی قوت حیات اور قوت نشو و نما کو کمزور کر دیا۔ امت کے بہت سے اجتماعی امراض اسی سوء مزاج کے اثرات ہیں، خصوصاً سیاسی ناکامیوں اور غلطیوں میں تو اسے بہت زیادہ دخل ہے۔ کیونکہ امت مسلمہ کی سیاست کی صحیح بنیاد "دعوت الی اللہ" ہے، جب دیوار بنیاد کو چھوڑ دے تو اس کا کمزور ہو جانا یقینی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین ○ (حٰم السجدہ)

(اور اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور اعمال صالحہ کرے اور کہے کہ بیشک میں مسلمانوں میں ہوں)

امت مسلمہ کے دعوتی مزاج کی طرف یہ آیت واضح اشارہ کر رہی ہے۔ اور بتا رہی ہے کہ مومن کو داعی الی اللہ ہونا چاہیے۔ اور یہ تو آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت ہے کہ۔ **انبیاء علیہم السلام کی یہ مشترک خصوصیت رہی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے تھے، اور صرف داعی نہ تھے بلکہ "داعی گر" بھی تھے۔**

انہوں نے اپنے تلامذہ کو بھی دعوت الی اللہ کا حکم دیا اور اس کے آداب سکھائے۔ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا اسلام آخری دین اور آنحضور ﷺ کی دعوت الی اللہ دائمی ہے۔ اس لئے کتاب و سنت نے قیامت تک ہونے والی امت مسلمہ کو دعوت الی اللہ کا حکم دیا اور آداب دعوت کی ایسی کامل تعلیم دی جس کی افادیت قیامت تک کم نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس تعلیم کو اس طرح محفوظ فرما دیا کہ تا قیام قیامت اس میں کوئی نقص نہیں پیدا ہو سکتا۔

دعوت الی اللہ کے معنی:

جو شخص قرآن کریم سے معمولی مناسبت بھی رکھتا ہے اس کے لئے یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ دعوت الی اللہ کا مطلب اللہ تعالیٰ کی عبادت، اطاعت اور اس کے ساتھ محبت کی دعوت دینا ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں اور نہ ہو سکتا ہے جس کی عبادت اور پوجا کی جائے۔ اور اس کے سوا کوئی "مطاع مطلق" بھی نہیں۔ اسکی اطاعت اور فرمانبرداری ہر حال میں لازم ہے۔ اس کے سوا کسی کی اطاعت ہر حال میں لازم نہیں۔ درحقیقت اطاعت اسی کی واجب ہے کسی دوسرے کی اطاعت صرف اسی لئے واجب ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کسی کی اطاعت اور فرمانبرداری جائز نہیں۔

قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی محبت کی بھی تعلیم دی ہے۔ اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا ضروری ہے۔ بلکہ حقیقی محبت صرف اللہ تعالیٰ سے ہونا چاہئے۔ اور اس کی محبت سب محبتوں پر غالب رہنا چاہیئے۔ دوسرے الفاظ میں عبادت، اطاعت اور محبت میں توحید کی دعوت کا نام دعوت الی اللہ ہے۔

مسلمانوں کو دعوت:

دعوت الی اللہ مسلمان بھائیوں کو بھی دینا چاہیئے اور غیر مسلموں کو بھی۔ اگرچہ دونوں کے درجہ میں فرق ہوگا۔ مسلمان توحید کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ انہیں دعوت الی اللہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ایمانی کیفیت کو توی کیا جائے اور ان کے ذہن کے کسی گوشہ میں جو افکار بیرونی اثرات کی وجہ سے اس ایمان و عقیدے کے خلاف پائے جاتے ہیں ان سے ذہن کو پاک کیا جائے۔ نیز اس کی کوشش کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ان کے دلوں میں اس طرح رچ جائے کہ اس کے اثرات بصورت اطاعت زندگی کے ہر گوشہ میں ظاہر ہوں۔

غیر مسلموں کو دعوت:

مگر غیر مسلم کا ذہن ابھی درجہ یقین اور منزل ایمان تک نہیں پہونچا ہے۔ اس لیے اسے دعوت الی اللہ بھی ابتدائی اور اولیں یا بالفاظ دیگر بنیادی درجہ ہی کی دیجا سکتی ہے۔ انہیں توحید کی دعوت دینا چاہیئے۔ اور اس روشن حقیقت کی طرف متوجہ کرنا چاہیئے کہ ساری کائنات کا خالق اور مالک ایک ہی ہے۔ اور وہی عبادت اور محبت کا مستحق ہے۔ اس کے مثل کوئی نہیں۔ نہ ذات میں نہ کسی صفت میں۔ اس لئے اس کے سوا کوئی بھی معبود بننے کے لائق نہیں۔

بظاہر غیر مسلموں کو دعوت الی اللہ دینا بہت مشکل نظر آتا ہے لیکن درحقیقت یہ بہت آسان ہے۔ چونکہ امت کا مزاج دعوتی نہیں رہا اس لیے یہ کام بہت مشکل نظر آتا ہے۔ آسان اس لیے ہے کہ توحید انسان کی فطرت میں داخل ہے۔

ہر آدمی موحد پیدا ہوتا ہے۔ خواہ وہ کسی مسلمان گھرانے میں پیدا ہو یا ہندو گھرانے میں یا اور کسی مذہب والے کے یہاں۔ حدیث شریف ہے: "کل ولد یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ" (او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام) یعنی ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔

دین فطرت دین توحید کا نام ہے۔ گویا ہر بچہ موحد ہوتا ہے۔ اگر شرک میں مبتلا ہوتا ہے تو بیرونی اثرات کی وجہ سے ورنہ اس کی فطرت ہمیشہ اسے توحید ہی کی طرف دعوت دیتی رہتی ہے۔ پھر یہ کہ دنیا کے جتنے مشہور و معروف مذاہب ہیں ان سب میں کم از کم مجمل طور پر توحید کی تعلیم ملتی ہے البتہ توحید کی مفصل اور کامل تعلیم صرف اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ مثلاً بھارت میں ہندو مذہب کی پیروی کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور اور شرک بھی ان میں پھیلا ہوا ہے۔ مگر اصل ہندو مذہب شرک کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ توحید کی تعلیم دیتا ہے۔ گیتا اور رگوید کا مطالعہ کرنے والا یقیناً اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ ہندو مذہب توحید کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اس کے پیروؤں کا شرک خود ان کی غلطی ہے نہ کہ ہندو مذہب کی تعلیم۔ بعض دوسرے مذاہب کا بھی یہی حال ہے۔ ان سازگار حالات میں جب کہ توحید داخل فطرت ہے اور ہمارے گرد و پیش جو مذاہب پائے جاتے ہیں وہ بھی توحید کی تعلیم دیتے ہیں، غیر مسلموں خصوصاً ہندوؤں اور سکھوں کو دعوت الی اللہ دینا کس قدر آسان ہے۔ یہ درحقیقت انھیں ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلانا اور خود ان کی فطرت کی آواز سنانا ہے۔ اگر ہمارا مزاج دعوتی ہوتا تو ہمارا ہر فرد حکمت و موعظت حسنہ اور اخلاق پسندیدہ کے ذریعہ غیر مسلموں کو دعوت الی اللہ دیتا۔

ابتدائے دعوت:

اگر ہم میں سے کچھ افراد اس کام کے لیے آگے بڑھیں، اور محض رضائے الٰہی کے لئے اخلاص

کے ساتھ غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں۔ جس سے کوئی سیاسی معاشی یا کسی طرح کا انفرادی یا اجتماعی نفع اٹھانا قطعاً پیش نظر نہ ہو۔ بلکہ صرف ان لوگوں کی خیر خواہی منظور ہو جنھیں دعوت دی جائے۔ تو انشاء اللہ بہت عمدہ نتائج برآمد ہوں گے اور ہم اپنے فریضہ سے سبکدوش ہونے کے علاوہ دعوتی مزاج کی کھوئی ہوئی نعمت کو بھی دوبارہ حاصل کر لیں گے۔

اس دعوت کی ابتدا محبت الٰہی کی دعوت سے ہونا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی اس آگ کو بھڑکانا چاہیئے جو ہر انسان کی فطرت میں رکھی گئی ہے اور جو مادیت کی راکھ میں دب کر اپنی حرارت اور روشنی دل کو گرم اور روشن کرنے سے قاصر ہو گئی ہے۔ محبت حق کی یہ فطری آگ جب مشتعل ہو گی تو دلوں کو روشن کر دے گی۔ اور ایمان و یقین کا راستہ خود بخود روشن ہو جائیگا یہ بات رکھنے کی ہے کہ محبوب حقیقی ایک ہی ہو سکتا ہے۔ محبت دوئی کو گوارا نہیں کرتی۔ اور اظہار محبت کا کامل ترین طریقہ محبوب کی عبادت اور اس کی کامل اطاعت ہے۔ گویا محبت میں توحید خود بخود عبادت اور اطاعت میں توحید تک پہونچا دے گی۔

پھر اللہ کی محبت میں کمال حاصل کرنے کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقرب بندوں سے بھی محبت پیدا ہو خصوصاً انبیاء علیہم السلام سے جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندے ہیں۔ اور جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا و قرب کا راستہ بتایا۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا پیدا ہونا تو یقینی ہے۔ کیونکہ آنحضورؐ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین اور مقرب ترین بندے ہیں اور یہ راستہ جس پر چل کر آدمی محبوب حقیقی تک پہونچ سکتا ہے انہی کا بتایا ہوا ہے۔ دل میں اس محبت وعظمت کی روشنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان و یقین، اور آنحضورؐ کی ہر بات کی تصدیق کی منزل تک پہونچائے گی۔ اس طرح تدریجاً وہ مومنین کے گروہ میں داخل ہو کر رضا و قرب رب العالمین کی نعمت عظیمہ حاصل کر لیگا۔ وذلک ھو الفوز العظیم۔

اس تصریح کی ضرورت نہیں
کہ اس طرح دعوت وہی دے سکتا
ہے جس کے دل میں محبت الٰہی
کی گرمی اور روشنی موجود ہو۔
صرف "زبان روشن" سے کوئی مقصد یہ
نتیجہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ حکمت اور اخلاق حسنہ بھی ایک داعی الی اللہ کے لیے بہت اہم اوصاف ہیں، ان کی رفاقت کے بغیر یہ راستہ طے نہیں ہوتا۔!!

رمضان المبارک کا
نظام العمل

۱۔ نماز باجماعت کی پابندی ــــ کہ ارشاد نبویؐ ہے "سراسر ظلم ہے کفر ہے اور نفاق ہے اس شخص کا فعل جو اذان سُنے اور مسجد کو نہ جائے"۔

۲۔ تراویح کا اہتمام ــــ کہ بغیر عذر کے اس کا ترک کرنا گناہ ہے۔

کے علاوہ

۳۔ قضا نمازوں کی تکمیل ــــ خصوصاً شب قدر میں جو کہ ایک ہزار ماہ سے افضل ہے۔ کہ ایک نماز چھوڑنے پر ایک حقب کی سزا بتائی گئی ہے۔

۴۔ نوافل کی ادائی ــــ کہ اس سے بندہ اپنے رب کے قریب ہوتا ہے۔ مثلاً تہجد جس کی ادائی آسان بھی ہے اور اشراق، چاشت، اوابین وغیرہ۔

۵۔ تلاوت قرآن کی کثرت ــــ کہ یہ قیامت میں مقبول سفارشی ہوگا۔ اور پھر یہ اسی ماہ مبارک میں نازل ہوا۔

۶۔ ذکر میں انہماک ــــ کہ یہ نسخہ ہے کم خرچ بالا نشیں۔ مثلاً کلمہ طیبہ، تیسرا کلمہ، درود شریف، استغفار وغیرہ۔

۷۔ دعا میں زیادتی ــــ سارے مسلمانوں کے لئے بلکہ انسانیت کے لیے۔ بالخصوص افطار کے وقت کہ وہ قبولیت کا ہوتا ہے۔

۸۔ صالحین کی مستند دینی کتب کا مطالعہ ــــ کہ یہ صحبت کا بدل ہے اور عمل کی صحت صحیح علم پر موقوف ہے۔

۹۔ صدقات یعنی صلہ رحمی۔ حاجت روائی۔ دینی اداروں کی امداد وغیرہ بہ حد امکان کہ: صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے عمر کو بڑھاتا ہے رزق میں زیادتی کا سبب ہے ــــ اور پھر ــــ باہمی ہمدردی ایمان کا تقاضا ہے۔

۱۰۔ دین کی دعوت کی محنت ــــ کہ اس ماہ مقدس میں، لوگوں کے متوجہ الی اللہ ہونے کی زیادہ امید ہے ــــ اور ــــ یہی اصل منصب ہے امت کا۔

ان امور سے باقی ماندہ اوقات میں

خاموشی اختیار کرنا ــــ کہ حدیثؐ ہے من صمت نجا، یعنی جو خاموش رہا نجات پایا۔ نجات غیبت سے، جھوٹ سے گالی سے۔ لایعنی سے۔

بقیہ صفہ ۳۲: ندوۃ العلماء ــــ منزل بمنزل

کہ ہے وہ خالی پڑی ہوئی ہے اس کے متعلق ایک جائداد بھی تھی جس سے ایک مدرسہ قائم ہوا تھا اور اس میں مولانا مملوک العلی صاحب نانوتوی مدرس تھے اسی کے تعلیمیافتہ مولانا محمد قاسم صاحب ہیں اور بڑے بڑے علماء جن کے علم و فضل کی ایک دنیا قائل ہے، یہ عمارت سرکار نظام دامت دولتہ کے اجداد کرام کی بنوائی ہوئی ہے اور کوشش انشاء اللہ دستیاب ہو سکتی ہے، اس میں دار العلوم قائم کیجئے ایسی عالیشان عمارت بنی بنائی آپ کو مل جائے گی۔ جب اس میں دار العلوم قائم ہوگا تو امید ہے کہ حضور نظام دامت دولتہ اپنی سیر چشمی اور فیاضی سے اس کو دوسروں کا دست نگر نہ رکھیں گے اور اپنے اجداد کی یادگار قائم رکھنے کے لئے بہت کچھ مدد دیں گے،

اس تقریر کے بعد مولانا شاہ سلیمان صاحب نے کہا کہ پہلے میں کہہ چکا ہوں کہ اگر دہلی کے حضرات دار العلوم سے دلچسپی رکھتے ہوں تو کیا مضائقہ ہے، اب چونکہ مولانا عبد الحق صاحب مجھ کو امید دلاتے ہیں اس لئے میں اس خیال سے رجوع کرتا ہوں، حاضرین نے مولانا سلیمان صاحب کے رجوع کرنے پر بہت مسرت ظاہر کی اور بالاتفاق طے ہوا کہ دار العلوم دہلی میں قائم کیا جائے۔ اس کے بعد مولوی محمد قمر الدین صاحب مہتمم مدرسہ معینیہ درگاہ شریف اجمیر اور مولوی محمود اصل صاحب نے تقریریں کیں۔ اس کے بعد ندوے کی طرف سے رؤسائے میرٹھ کا شکریہ ادا کیا گیا جنہوں نے ندوے کو دعوت دی اور نہایت کوشش اور جانفشانی سے میزبانی کے حقوق ادا کر دئے۔

اجلاس میرٹھ کے موقع پر مختلف مقامات کی درج ذیل تنظیموں نے ندوۃ العلماء کو سپاسنامہ پیش کیا، ندوۃ العلماء کی خدمات کو سراہا اور اپنے بھرپور تعاون و تائید کا اعلان کیا۔

انجمن معین الندوہ عظیم آباد پٹنہ، مجلس معین الندوہ بہار، مخدوم زادگان و عمائد اہل اسلام رُدولی، اہل اسلام ہوشیارپور، مسلمانان جالندھر، اہل اسلام شملہ، انجمن انوار محمدیہ امرتسر، اہل اسلام لشکر گوالیار۔

"تعمیر حیات" کی توسیع اشاعت میں حصہ لیجیے۔

۱۵ اگست ــــ ملک آزاد ہوگیا لیکن عوام آزادی اور کامیابی کا پورا لطف نہ اٹھا سکے

ان اوراق میں جو کہانی میں بیان کرنا چاہتا تھا یہ اس کا آخری باب ہے، ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نئی ریاست پاکستان کا افتتاح کرنے کراچی گئے، دوسرے روز صبح دلی لوٹ آئے اور ۱۵ اگست کو ۱۲ بجے رات کے وقت ہندوستان کی ڈومینین وجود میں آئی ملک آزاد ہوگیا تھا لیکن عوام آزادی اور کامیابی کا پورا لطف نہ اٹھا سکے، دوسرے دن جب ان کی آنکھ کھلی تو انہوں نے دیکھا کہ آزادی کے ساتھ ایک بہت المناک حادثہ واقع ہوا ہے ہم نے بھی محسوس کیا کہ اس منزل تک پہنچنے سے پہلے جہاں ہم ٹھہر کر آرام کر سکیں گے اور آزادی کی نعمتوں سے مستفیض ہو سکیں گے ایک لمبا اور سنگلاخ راستہ طے کرنا ہوگا کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے تقسیم کو تسلیم کیا تھا چونکہ کانگریس ساری قوم کی نمائندہ جماعت تھی اور مسلم لیگ کو کافی حمایت حاصل تھی اس لئے قاعدے کے مطابق اس کا مطلب یہ ہونا چاہیے تھا کہ سارے ملک نے تقسیم کو مان لیا ہے لیکن اصل صورت حال بالکل ہی اور تھی جب ہم نے تقسیم کے فوراً قبل اور فوراً بعد سارے ملک پر نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ اس فیصلے کو تسلیم کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے رزولیوشن اور مسلم لیگ کے رجسٹر میں اس کا اندراج ہو گیا ہے ہندستان کے عوام نے اس کو تسلیم نہیں کیا تھا ان کا دل ان کی روح اس ظلم پر چلا اٹھی تھی میں نے ابھی کہا ہے مسلم لیگ کو کافی مسلمانوں کی حمایت حاصل تھی لیکن مسلمانوں کا بڑا حصہ ایسا تھا جس نے ہمیشہ مسلم لیگ کی مخالفت کی تھی ظاہر ہے تقسیم کے فیصلہ سے ان لوگوں کو گہرا زخم لگا جہاں تک ہندوؤں اور سکھوں کا تعلق تھا ان میں سے ہر ایک تقسیم کے خلاف تھا اور کانگریس کے تقسیم کے مان لینے کے باوجود ان کی مخالفت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا اب جو تقسیم عملی حقیقت بن گئی تو خود مسلم لیگ کے بہت سے حامی اس کے بھیانک نتائج کو دیکھ کر دہشت کھا گئے اور کھلم کھلا یہ کہنے لگے کہ تقسیم سے ان کی مراد یہ نہیں تھی آج دس برس بعد جب میں ان ساری باتوں پر نظر ڈالتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ واقعات نے ہر اس بات کی تصدیق کی ہے جو اس وقت میں نے کہی تھی۔ مجھے اس وقت بھی صاف محسوس ہو رہا تھا کہ کانگریس کے لیڈروں نے تقسیم کو آزادی کے ساتھ اور کھلے دل سے نہیں مانا ہے ان میں سے کچھ تو خالی غصہ میں اور تنگ آ کر اور کچھ بالکل مایوس ہو کر اس پر راضی ہو گئے تھے جب دلوں پر غم اور غصہ یا خوف حاوی ہو جائے تو لوگوں میں حقائق پر نظر رکھ کر فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی جن لوگوں کے مشتعل جذبات نے انہیں تقسیم کا حامی بنا دیا تھا وہ کیسے سوچ سکتے تھے کہ ان کے عمل کے نتیجہ کیا ہوں گے۔

کانگریس کے لیڈروں میں تقسیم کے سب سے بڑے حامی سردار پٹیل تھے لیکن یہ بھی تقسیم کو ہندوستان کے مسائل کا بہترین حل نہیں تصور کرتے تھے۔

درحقیقت انہوں نے اپنی پوری طاقت سے تقسیم کی حمایت صرف جھنجھلاہٹ اور احساس خودداری کو ٹھیس پہنچنے کی وجہ سے کی تھی انہوں نے دیکھا کہ لیاقت علی خاں بحیثیت وزیر مالیات ان کی ہر تجویز رد کر کے انہیں قدم قدم پر زچ کرنے دیتے ہیں اس لئے انہوں نے تنگ آ کر فیصلہ کیا تھا کہ تقسیم کے سوا چارہ نہیں ہے تو ملک کو تقسیم ہو جانا چاہیئے انہیں اس کا بھی یقین تھا کہ پاکستان کی نئی ریاست میں زندہ رہنے کی صلاحیت نہ ہوگی اور نہ وہ زیادہ دن قائم رہ سکے گی۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ پاکستان کو تسلیم کر کے مسلم لیگ کو سخت تادیب کی جا سکے گی پاکستان کی ریاست تھوڑے عرصہ میں بیٹھ جائے گی اور جو صوبے ہندوستان سے الگ ہوئے ہونگے انہیں بے پناہ مشکلوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا ملک کی تقسیم کے بارے میں عام لوگوں کے رویہ کا اصل امتحان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوا جب آزاد پاکستان قائم ہوا اگر عوام نے تقسیم کو قبول کیا ہوتا تو پنجاب، سندھ، سرحد بنگال کے ہندو اور سکھ ویسی خوشی مناتے جیسے کہ وہاں کے مسلمان منا رہے تھے مگر ان صوبوں سے جو اطلاعات ہم تک پہونچیں اس سے اس دعوے کا کھوکھلا پن ظاہر ہو گیا کہ کانگریس کا تقسیم کو مان لینا قوم کے مان لینے کے برابر ہے ــــ ۱۴ اگست پاکستان کے مسلمانوں کے لئے جشن منانے کا دن تھا۔ ہندوؤں اور سکھوں کے لئے سوگ اور ماتم کا۔ یہ کیفیت صرف عام لوگوں کی نہیں تھی بلکہ کانگریس کے اہم لیڈر بھی اسے محسوس کرتے تھے ان دنوں اچاریہ کرپلانی کانگریس کے صدر تھے یہ سندھ کے رہنے والے ہیں انہوں نے ایک بیان شائع کیا کہ آج کا دن ہندوستان کے لئے تباہی اور ماتم کا دن ہے پاکستان کے ہندوؤں اور سکھوں نے کھلے بندوں اس جذبہ کا اظہار کیا تھا یہ واقعی عجیب و غریب صورت حال تھی ہماری قومی جماعت نے تقسیم کے حق میں فیصلہ کیا تھا لیکن سارا ملک اس کی وجہ سے دکھی ہو گیا تھا، یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر ہندوستانیوں کے دلوں میں تقسیم کے خیال سے غصہ اور غم کے ایسے جذبات پیدا ہوتے تھے تو انہوں نے اسے کیوں منظور کیا تھا؟ انہوں نے اور زیادہ سختی سے مخالفت کیوں نہیں کی؟ انہیں کیا جلدی تھی کہ ایسا فیصلہ کر لیا جسے تقریباً ہر شخص غلط سمجھتا تھا؟ مانا کہ ۱۵ اگست تک ہندوستان کے مسائل کا کوئی مناسب حل نہیں نکل سکا تھا لیکن اس کی وجہ سے ایک غلط فیصلہ کر لینے اور پھر ہائے ہائے کرنے کے کیا معنی؟ میں برابر کہتا رہا تھا کہ اس وقت تک انتظار کرنا چاہیئے جب تک کوئی بہتر حل سمجھ میں آئے میرے بس میں جو کچھ تھا میں نے کیا بدقسمتی سے میرے دوستوں اور ساتھیوں نے میری حمایت نہیں کی حقیقت سے اس عجیب چشم پوشی کا صرف ایک سبب میری سمجھ میں آتا ہے اور وہ یہ کہ غصہ اور مایوسی نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دئے تھے غالباً ایک خاص تاریخ یعنی ۱۵ اگست کے یقین نے ان پر ایسا جادو کیا کہ انہوں نے ماؤنٹ بیٹن کی ہر بات بغیر سوچے سمجھے تسلیم کر لی حالت ایسی تھی کہ دکھ بھی ہوتا تھا اور ہنسی بھی آتی تھی سب سے مضحکہ خیز کیفیت مسلم لیگ کے ان لیڈروں کی تھی جو تقسیم کے بعد ہندوستان میں رہ گئے تھے۔

مسٹر جناح اپنے ساتھیوں کو پیغام دے کر کراچی کے لئے روانہ ہو گئے تھے کہ اب جو ملک تقسیم ہو گیا ہے تو انہیں ہندوستان کے وفادار شہری بن کر رہنا چاہیے۔ اس الوداعی پیغام نے ان کے اندر کمزوری اور مایوسی کا ایک عجیب احساس پیدا کر دیا تھا۔

۱۴ اگست کے بعد ان میں سے بہت سے لیڈر مجھ سے ملنے آئے ان کی حالت پر رحم آتا تھا ان میں سے ہر ایک نے سخت افسوس اور غصہ کی حالت کے ساتھ مجھ سے کہا کہ جناح نے انہیں دھوکہ دیا اور عین وقت پر ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ پہلے پہل میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ ان کے یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ جناح نے انہیں دھوکہ دیا؟ انہوں نے تو صاف صاف مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں کی بنیاد پر ملک کی تقسیم کا مطالبہ کیا تھا۔ اب پاکستان بن گیا تھا اور مشرق و مغرب دونوں طرف سے مسلمانوں کی اکثریت کے علاقے پاکستان میں شامل ہو گئے تھے پھر آخر یہ مسلم لیگ کے نمائندہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ انہیں دھوکہ دیا گیا؟ ان سے گفتگو کرتے وقت مجھے معلوم ہوا کہ ان کے ذہن میں تقسیم کی ایک ایسی صورت تھی جسے حقیقت سے کوئی واسطہ نہ تھا دراصل یہ لوگ پاکستان بننے کا کوئی اندازہ کر ہی نہیں سکتے تھے،

بظاہر تھا کہ اگر مسلمانوں کی اکثریت صوبہ پاکستان میں شامل ہو جائیگی تو بقیہ صوبے جہاں مسلمان اقلیت میں تھے ہندستان میں شامل رہیں گے۔ یوپی اور بہار کے مسلمانوں کو تو تقسیم کے بعد بھی ہندوستان میں رہنا تھا اس لیے کہ وہ اقلیت میں تھے یہ بات عجیب ہے مگر واقعہ یہی ہے کہ مسلم لیگ کے ان لیڈروں نے حماقت میں اپنے دل میں سمجھ لیا کہ پاکستان بن جانے کے بعد سارے مسلمان چاہے وہ اکثریت کے علاقہ کے ہوں یا اقلیت کے ایک قوم تصور کیے جائیں گے اور انہیں اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنے کا پورا حق ہوگا لیکن اب جو مسلمانوں کی اکثریت کے صوبے پاکستان

آزادی کے ۴۸ گھنٹے بعد فرقہ وارانہ فسادات کی خبریں دار السلطنت پر افسردگی کے بادل بن کر چھا گئیں

مولانا ابوالکلام آزاد

(بقیہ صفہ ۳۲ پر)

پاکستان ——— کیا دیکھا؟ کیسا پایا؟

اسحٰق جلیس ندوی

ذاتی ڈائری کے چند اوراق

۱۸ر رجب المرجب ۹۸ھ مطابق ۲۵ر جون ۷۸ء۔ اتوار

پڑوسی ملک پاکستان کی سیاحت کی خواہش عرصہ سے تھی، کبھی حالات نے اجازت نہ دی تو کبھی پاسپورٹ اور ویزا کی قانونی دشواریاں اس ارادہ میں حائل ہوئیں۔

ملک کے مشہور صحافی کلدیپ نیّر کی ایک کتاب کا ٹائٹل ہے، —— Distance Neighbours "دور کے پڑوسی" دنیا کے ہر ملک کی سیاحت، ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک رسائی اتنی دشوار نہیں جتنا اس پڑوسی ملک کا سفر مشکل ہے۔ ویزا کی درخواست دسمبر میں دی تھی، منظوری کی اطلاع چھ مہینے بعد مئی میں ملی۔ اس سفر کا اوّلیں محرک اپنے قریبی عزیزوں سے ملاقات تھی، حقیقی ہمشیرہ کراچی میں ہیں، برسوں سے انہیں اور ان کے شوہر اور بچوں کو نہیں دیکھا تھا، تیس سال قبل ۱۹۴۸ء میں کراچی جانا ہوا تھا، ان تین دہائیوں میں دنیا بدل گئی، بہن کے بچے جوانی کی سرحد میں داخل ہو گئے تھے، لیکن صورت آشنا نہیں تھے، جون کے آخر میں سفر کا ارادہ کیا تھا کہ اس سفر کی نوعیت میں ایک خوشگوار و مبارک تبدیلی ہو گئی۔

کراچی میں ۶ تا ۸ر جولائی ۷۸ء رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام اسلامی ایشیائی کانفرنس کے انعقاد کا اعلان ہوا، اس میں مندوب کی حیثیت حاصل ہو گئی، رابطہ کے سکریٹری جنرل الشیخ محمد علی الحرکان کا دعوت نامہ بذریعہ ٹیلیگرام عین سفر کے وقت موصول ہوا۔ ۲۵ر جون کا ریلوے ریزرویشن لکھنؤ تا اٹاری کرا لیا گیا تھا، کانفرنس کی تاریخوں سے ہفتہ عشرہ قبل پہونچنے کا فائدہ یہ محسوس ہوا اعزہ اور احباب سے ملاقات ہو گی اور کچھ وقت ان کے ساتھ گذارنے کا مل جائے گا، بعد کے مشغول پروگرام سے اندازہ ہوا کہ یہ فیصلہ بہت مناسب تھا،

لہٰذا ہوائی جہاز کے ٹکٹ کے انتظار کے بغیر آج باوڑہ امرتسر میل سے براہ لاہور کراچی کے لئے روانہ ہوا، لکھنؤ کے چارباغ ریلوے اسٹیشن پر مولوی عبد العزیز بھٹکلی ندوی، مولوی محمد احمد ندوی، عزیزی محمد یوسف، محمد ایوب اور چند طلبہ نے رخصت کیا۔

تھرڈ ٹائر کی بوگی میں برتھ محفوظ تھی لیکن پورا ڈبہ غیر محفوظ تھا، پورے ڈبے میں ان لوگوں کی اکثریت تھی جن کا ریزرویشن نہیں تھا۔ یوپی میں دیکھا ہے اور بہار کے بارے میں سنا ہے کہ شمالی ہند کے ان دو صوبوں میں ریزرویشن کے ڈبوں میں Camel and Arab کی کہانی حقیقت کا روپ اختیار کر لیتی ہے، اس فرق کے ساتھ کہ اونٹ نے تو عرب سے درخواست اور عاجزی کر کے خیمہ ہتھیا لیا تھا اور اسے بے دخل کر دیا تھا، لیکن یوپی کے مثقف اور تعلیم یافتہ مسافر یا زیر تعلیم طلبہ دھونس اور دھاندلی سے محفوظ ڈبوں پر قبضہ کئے رہتے ہیں، نہ کوئی داد رس نہ فریاد رس، احتجاج اور اعتراض کا نتیجہ ایسا معلوم اور معروف کہ اس کی ہمت کوئی نہیں کرتا۔ محفوظ ڈبے میں سفر کی دلیل یہ کہ اگلے اسٹیشن پر اترنا ہے اور ہر اسٹیشن پر اترنے والے، وہاں سے اپنے ہی طرح کے سوار ہونے والوں کے لئے گویا جگہ خالی کرتے ہیں، یہ سلسلہ رات گئے تک چلتا رہتا ہے، رات میں بھی کنڈکٹر کی چشم پوشی یا بالائی آمدنی کے طفیل اتنی تعداد شب بسری کرتی ہے کہ باتھ روم جانا یا نماز پڑھنا کار دارد۔

ٹرین رات آٹھ بجے مراد آباد اسٹیشن پہونچی، مولانا افتخار فریدی صاحب، مولوی عثمان صاحب ندوی اور کئی احباب اسٹیشن پر موجود تھے، فریدی صاحب کی معذوری کے باوجود اس زحمت فرمائی نے متاثر بھی کیا اور نادم بھی، سفر کے سلسلے میں وہ برابر ہدایات دیتے رہے، کئی اہم حضرات کے پتے اور فون نمبران سے ملے جو پاکستان پہونچنے کے بعد بہت کار آمد ثابت ہوئے۔ محترم فریدی صاحب گذشتہ سال پاکستان کا مفصل دورہ کر چکے ہیں، ان کی تازہ معلومات اور مشوروں سے بڑا فائدہ ہوا، رخصتی مصافحہ اور معانقہ ہوا اور ٹرین چل دی، ان حضرات کے لائے ہوئے کھانے اور مٹھائیوں میں اپنے ہندو اور سکھ ہمسفروں کو بھی شریک کیا۔

پیر، ۲۶ر جون ۱۹۷۸ء مطابق ۱۹ر رجب ۹۸ھ

علی الصبح آنکھ کھلی، وضو کر کے نماز صبح ادا کی، ڈبے کے بیشتر مسافر سکھ یا پنجابی ہندو ہیں، چند مسلمان خاندان بھی ہیں جنہیں میری طرح پاکستان جانا ہے، رات کی تاریکی اور نیند کے عالم میں جو اسٹیشن گذرے انہیں تو دیکھ نہ سکا، البتہ صبح سویرے انبالہ، لدھیانہ، جالندھر اور کئی ایسے مقامات سے ٹرین گذری جن کے نام معروف اور مانوس تھے، صبح آٹھ بجے ٹرین امرتسر کے پلیٹ فارم پر تھی، مسافروں نے بتلایا کہ آج ٹھیک وقت پر ٹرین پہونچی ہے۔ قلی نے سامان اٹھوایا، سامنے کے پلیٹ فارم پر لاہور جانے والی ٹرین "سمجھوتہ" کھڑی تھی، اس ٹرین میں دونوں ملکوں کے ڈبے لگے ہیں، قریب میں ہندوستانی ڈبے تھے، قلی نے سامان رکھا، یہ ڈبہ اپنی کہنگی اور فرسودگی میں تاریخی حیثیت کا حامل اور ایسا از کار رفتہ کہ سودا کا ہجویہ "گھوڑا" اور پطرس بخاری کی "سائیکل" یاد آ جائے۔ نہ جانے پاکستان تک پہونچنے والے ہندوستانی ڈبوں کا یہ انتخاب کس مصلحت کی بنا پر ہے اور کس ستم ظریف کی ذہنی اپج، اس کے برعکس پاکستانی ڈبے نہایت اعلیٰ، گدّے دار اور سلیقہ کے۔ اٹاری سے لاہور تک پاکستانی ڈبے میں سفر رہا۔

اٹاری ہند و پاک کی سرحد پر واقع کسٹم چیک پوسٹ ہے، یہاں قلیوں نے تمام سامان اتار دیا، سامنے کسٹم کے عملہ کی میزیں اور کرسیاں لگی تھیں، سامان قلیوں کے حوالہ کر کے پاسپورٹ ویزا لے کر اپنی میز پر پہونچا، ہندوستانی شہریوں کی اس میز کے آفیسر ایک معمر سردار صاحب تھے، ان تک سب سے پہلے پہونچنے والا مسافر میں ہی تھا، انہوں نے خلاف توقع بہت اخلاق و رواداری کا سلوک کیا، پاسپورٹ پر ندوۃ العلماء کا پتہ پڑھ کر غالباً انہیں اپنا بچپن اور وہ مشترکہ کلچر یاد آیا جو اب خواب ہو چکا ہے، کہنے لگے "میں نے بچپن میں عربی بھی پڑھی تھی، اردو کی آغوش میں تو پروان چڑھا ہوں"۔ چیکنگ کے لئے سوٹ کیس اور بریف کیس کا تو کھولنا آسان تھا، لیکن کتابوں اور تعارفی لٹریچر کے دو بڑے بنڈلوں کو کھولنا اور پھر باندھنا بڑا مشکل مرحلہ تھا، لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی، کسٹم کے عملہ نے شرافت و اخلاق اور اعتماد و بھروسہ کا معاملہ کیا اور کسی چیز کے کھلوائے بغیر منٹوں میں تمام قانونی اندراجات کر کے فارغ کر دیا، قلی نے متصل ڈبہ میں سامان رکھ دیا، یہ پاکستانی ڈبہ بہت آرام دہ اور سلیقہ کا معلوم ہوا۔ دو ڈھائی گھنٹے تک تمام مسافروں کے کسٹم اور ضروری اندراجات کے بعد ٹرین چلی، اب ہم پاکستانی حدود میں داخل ہوئے۔ آسمان و زمین اور فضا کی یکسانیت میں یہ پتہ ہی نہ چلا کہ جس نئے ملک کی سرحد میں داخل ہوئے ہیں وہاں مابہ الامتیاز کیا چیز ہے۔ دو ملکوں کو جدا کرنے والی وہ لکیر بھی نظر نہیں آئی، جو آمد و رفت کی دشواریوں کے اعتبار سے دیوار چین سے زیادہ وسیع اور مستحکم ہے۔

اٹاری سے لاہور کا فاصلہ گھنٹوں میں تو کیا شاید منٹوں میں طے ہوا۔ ۱۲ بجے ٹرین لاہور اسٹیشن پر پہونچی۔ لاہور کے جس پلیٹ فارم پر "سمجھوتہ" ٹرین ٹھہری تھی وہاں پاکستانی کسٹم کا عملہ اپنی میزیں کرسیاں سجائے نظر آیا۔ اس پلیٹ فارم پر صرف قلی، ریلوے اور کسٹم کا عملہ تھا، مسافروں کے استقبال کو آنے والوں کو اندر آنے کی اجازت غالباً نہیں تھی، وہ جنگلہ کے اس پار کھڑے تھے لیکن میرے بہنوئی اور حقیقی چچازاد بھائی عبد الرؤف خان صاحب اپنے تعلقات کی بنیاد پر پلیٹ فارم پر پہونچ گئے تھے، ۳۰ سال بعد ہم دونوں گلے مل رہے تھے، راقم سطور کے استقبال کے لئے یہ خاص طور پر کراچی سے لاہور آئے تھے

کسٹم، ویزا اور پاسپورٹ کے اندراج کے دوران ایسا محسوس ہوا کہ امانت، دیانت، اخلاق اور مستعدی کا جیسا مظاہرہ ایک اسلامی ملک میں ہونا چاہئے اس کا فقدان ہے، —— ان مراحل کے بعد جب باہر نکلا تو ایک صحت مند، کشادہ پیشانی کی وجیہ شخصیت نے تذبذب اور یقین کے ملے جلے لہجہ میں پوچھا، "آپ لکھنؤ سے تشریف لا رہے ہیں"؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو یہ کہہ کر اپنا تعارف کرایا کہ میں ہوں ظہیر ندوی، آپ کا خط والد بزرگوار مولانا فضل قدیر ندوی کے نام آیا تھا، وہ اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے اسٹیشن آنے سے معذور تھے، انہوں نے مجھے بھیجا ہے۔ اپنے علمی برادری کے ایک فرد سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔ ظہیر ندوی نے ۱۹۶۲ء میں ندوہ سے عالمیت کیا، ان دنوں روزنامہ امروز میں سب ایڈیٹر ہیں، ایک اچھے صحافی اور صاحب قلم کی حیثیت سے لاہور کے ادبی اور صحافتی حلقوں میں معروف۔

(بقیہ ۲۹ پر)

قسط ۲

دس دن ——— پانچ دریاؤں کی سرزمین میں

اسحٰق جلیس ندوی

★

سریندر سنگھ صاحب کے بنگلے سے روانہ ہوئے تو تاریکی چھا چکی تھی، جمنا نگر کی ایک مسجد میں نماز عشاء ادا کی، جہاں مقامی مسلمانوں کی معتد بہ تعداد جمع تھی، چند غیر مسلم نوجوان بھی مسجد میں منتظر ملے۔ جہاں تقریر اور جلسے کا کوئی پروگرام نہیں تھا، لیکن لوگوں کے اشتیاق اور جذبہ کو دیکھ کر حضرت مولانا نے عبد الکریم صاحب پاریکھ کو چند کلمات کہنے کی ہدایت فرمائی۔

مسجد کے مصلیان اور اہل محلہ نے پر تکلف چائے کا انتظام کیا تھا۔ اس میں غیر مسلم بھائیوں کو بھی باصرار شریک کیا گیا —— نو بج چکے تھے اور پیپلی مزرعہ میں عشاء بعد جلسے کا اعلان تھا۔

پیپلی مزرعہ تحصیل جگا دھری میں ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ یہ تاریخی بستی حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحؒ اور حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری رحؒ کی خصوصی توجہات کا مرکز رہی ہے۔

تقسیم ہند کے بعد یہ علاقہ مسلمانوں سے تقریباً خالی ہو چکا تھا، جو لوگ خدا کے بھروسے پر رہ گئے ان کی دینی تعلیم کا کوئی نظم نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ مولانا محمد الیاس صاحب مفتاحی قاسمی کو جزائے خیر دے کہ ان کی شب و روز کی کوششوں کے نتیجہ میں یہاں ایک دینی مدرسہ بیت العلوم کے نام سے قائم ہوا۔ مدرسہ کی ایک عظیم الشان عمارت کی بنیاد بن گئی ہے جس کے چار کمرے مکمل ہو چکے ہیں۔ ہمارا قیام انہی کمروں میں تھا، جلسہ مدرسہ کے سامنے وسیع میدان میں منعقد ہوا، موسم خاصا سرد تھا، اس کے باوجود جلسے میں دور دور سے لوگ جمع ہوئے تھے۔ اور جنگل میں منگل کا سماں تھا۔ ابتداء میں مولانا الیاس صاحب نے خیر مقدمی تقریر فرمائی اور حضرت مولانا سے تقریر کی گزارش کی، دن بھر کے مشغول پروگرام اور سفر کی تکان کی وجہ سے مولانا کا خطاب مختصر رہا،

آپ نے فرمایا:-

"علمائے کرام اور برادران عزیز! اس سے پہلے جو تقریر آپ نے سنی اس میں میرا اور میرے ساتھیوں کا بہت شکریہ ادا کیا گیا اور سراہا گیا کہ ہم لوگ تکلیف اٹھا کر یہاں تک پہونچے، دور دراز کا سفر کر کے آئے۔ یہ الفاظ جس محبت اور قدر کے جذبہ سے نکلے اور ان میں جو سچائی اور مقصد تھا وہ قابل احترام ہے، ہم اس کی عزت کرتے ہیں اور اسے آپ کی محبت پر محمول کرتے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اپنا فریضہ ادا کیا، ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہونا چاہتے ہیں، ہم یہاں ایک فرض سمجھ کر آئے ہیں، یہ خود ہمارا کام ہے اور اس سے ہمارا مفاد وابستہ ہے، اگر دنیا میں انسانیت پھلے پھولے، خدا کے پیغمبر جو پیغام لے کر آئے جو اخلاق انہوں نے دیا وہ اگر دنیا میں عام ہو گا تو سب کو فائدہ پہونچے گا۔ اور انسان زندگی کا لطف پائیں گے۔ پھر جن کے پاس یہ پیغام ہے وہ اگر اس پیغام کو پہونچائیں گے تو وہ اپنے مذہب کی بھی خدمت کریں گے اور انسانیت کی بھی خدمت کریں گے۔

بھائیو! ایک ہوتی ہے شاخ، اگر شاخ سلامت ہے تو اس پر ہر قسم کے آشیانے بن سکتے ہیں، اگر شاخ سلامت نہیں تو نشیمن کس پر قائم رہیں گے۔؟ یہ مدرسے، یہ ادارے، یہ اسپتال، یہ اسکول و کالج، یہ سیاسی پارٹیاں اور مختلف تنظیمیں، یہ سب انسانیت کی شاخ پر قائم ہیں اگر یہ شاخ سلامت ہے تو سب کچھ سلامت ہے۔ اگر شاخ ہی ٹوٹ گئی تو سب کو لے کر زمین پر آ جائے گی۔

عجیب بات ہے کہ لوگ نشیمن کو دیکھتے ہیں، اس کا خیال کرتے ہیں، مگر انہیں شاخ کی فکر نہیں۔

ہم اس انسانیت کے قائل نہیں جو خدا کے پیغمبروں کی رہنمائی کے بغیر ہو، وہ انسانیت نہیں حیوانیت ہے۔ جب بھی انسانیت اس دنیا میں آئی ہے انہی کی کوششوں سے آئی ہے یا ان کے نام لینے والوں کی کوششوں اور قربانیوں سے آئی ہے۔ آج ہم یہ راستہ کھو چکے ہیں۔

کشتی اور ناؤ میں اگر سوراخ نہیں ہے، اس کے تختے ٹھیک ہیں تو ساحل تک سلامتی کے ساتھ پہونچ جائے گی۔ اگر کسی نے اس میں سوراخ کر دیا یا تختہ اکھاڑ دیا تو ایسی کشتی ڈوب جائے گی اور اس کے سوار اور تمام اثاثہ ڈوب جائے گا۔

بھائیو! بہت موٹی اور صاف بات ہے، جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ انسانیت کی کشتی ڈانوا ڈول ہو رہی ہے، خاص طور پر ہمارے ملک کی کشتی ہچکولے کھا رہی ہے۔ اس کے ڈوبنے کا خطرہ ہے، کشتی کے مسافر اور ملاح آپس میں دست و گریباں ہیں، کسی کو یہ خیال نہیں کہ کشتی ڈوبنے کے قریب ہے۔ کشتی کو بچانے کی کسی کو فکر نہیں، ہر ایک کشتی میں اچھی جگہ لینے کی کوشش میں ہے۔ سب کی عقل ماؤف ہو چکی ہے۔ جس ملک میں سّو کے قریب یونیورسٹیاں ہوں، سینکڑوں ہزاروں کالج، اسکول اور مدرسے ہوں، بڑے بڑے فلسفی اور دانشور ہوں، سب موجود ہوں، اور ملک ڈوب رہا ہو اور اس کو بچانے کی کسی کو فکر نہیں ہو، ہر ایک کو اپنی پارٹی، اپنی برادری، اپنی ذات اپنا کنبہ اور اپنی دولت کو بچانے کی فکر ہو اور ملک کو بچانے کی فکر نہ ہو تو پھر واقعی یہ ملک ڈوب کر رہے گا۔

آج اخلاقی حالت کیا ہو رہی ہے، روحانیت کا کہاں ذکر ہے؟ جو چراغ گل ہوتا ہے اس کی جگہ پُر کرنے والا نہیں ملتا۔ آپ کے قریب جمنا کے اس پار کتنی خانقاہیں، کتنے روحانی مرکز تھے، وہاں آج سناٹا ہے۔ جہاں نہ کوئی سودا ہے، نہ کوئی خریدار ہے، نہ کوئی دکان ہے۔ ع

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل،
وہ دکان اپنی بڑھا گئے

جہاں سے دوائے دل بکتی تھی وہاں کوئی نظر نہیں آتا۔ روحانیت کا تو کیا، رونا تو اخلاق کا ہے، بنیادی اخلاق، خدا کا خوف، انسانیت کے مبادی سب لوگ بھولتے جا رہے ہیں، بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ انسانیت کے گلے پر چھری پھیر دیں۔ انسانیت کا گلا گھونٹ دیں۔ ہمارے ملک میں لاقانونیت کا دور دورہ ہے۔ نہ کوئی قانون ہے نہ آئین۔ ریل، ڈاک، ٹیلیفون غرض کسی محکمہ کو اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں۔ لڑکے پڑھنے کو تیار نہیں۔ استاد پڑھانے پر آمادہ نہیں۔ ماں باپ کو اولاد کی فکر نہیں، اس پر کوئی پریشانی نہیں کہ کوئی بری بات ہو رہی ہے، سب تماشائی ہیں۔ ایسے ملک کا مستقبل کیا ہو گا۔؟

اگر اس ملک میں کوئی دیوانگی کی لہر چلی تو ان مسجدوں، مدرسوں کا کیا ہو گا۔؟ یہاں جو کچھ دینی، تبلیغی کام ہو رہا ہے یہ کیسے ہو گا؟ اگر اس ملک میں اصلاح معاشرہ کا کام نہ ہوا، انسانیت کی پکار نہ لگائی گئی، انسانیت کو بچانے کے لئے بھیک نہ مانگی گئی، خوشامد نہ کی گئی، دوڑ دھوپ نہ کی گئی، اسی طرح شہر شہر بستی بستی مارے مارے نہ پھرا گیا تو یہاں انسانیت کا کوئی مستقبل نہیں، ہم آپ کے یہاں کل آٹھ آدمی آئے ہیں، اس کام کے لئے تو ۸۰۰ آٹھ ہزار بلکہ آٹھ لاکھ آدمیوں کو سارے ہندوستان میں گھومنا چاہئے۔ اور صدا لگانی چاہئے کہ اے ملک کے رہنے والو ملک کو بچاؤ، اے انسانو! انسانیت کی خبر لو۔ انسانیت کے تخت کو آگ لگائی جا رہی ہے اور تم اطمینان سے بیٹھے ہو، میٹھی نیند سو رہے ہو، تم کو دیوانہ ہو جانا چاہئے، دیوانوں کی طرح پھرنا چاہئے۔ جس ملک کی آبادی کروڑوں کی ہو وہاں ہم آٹھ آدمی کیا کر سکتے ہیں۔؟

بھائیو! اصل تقریر تو آپ ہمارے عزیز رفیق مولوی عبد الکریم پاریکھ صاحب کی زبان سے سنیں گے، میں بہت تھکا ہوا ہوں، مجھے آپ کی محبت یہاں کھینچ کر لائی ہے اور اسی نے یہاں لا کر بٹھایا۔

بھائیو! یہ کام کرنے کا ہے۔ میں آپ سے صحیح عرض کرتا ہوں کہ ہمارے مرشد اور شیخ حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری قدس اللہ سرہٗ اگر زندہ ہوتے تو سب سے زیادہ وہ خوش ہوتے اور دعائیں دیتے اور کہتے کہ بالکل صحیح کام اور وقت کا کام یہ ہے۔ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ وہ سب سے زیادہ اس کام کی قدر کرتے، میں نے ان سے بڑھ کر روشن دماغ نہیں دیکھا، میں بہت ملکوں میں پھرا ہوں اور اونچے سے اونچے آدمیوں کو دیکھا ہے لیکن میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے حضرت رائے پوری رحؒ سے بڑھ کر روشن دماغ، حالات پر گہری نظر رکھنے والا، حقیقت پسند اور صحیح بات کو سمجھنے والا، خطرات کو بھانپ کر صحیح اقدام کرنے والا انسان، مشائخ تو مشائخ سیاسی لوگوں میں بھی نہیں پایا، میں کسی پر تنقید نہیں کرتا، میرے دل میں سب کی محبت اور عقیدت ہے، لیکن ایک چیز ہے دماغ کی وسعت اپنے زمانہ کی نبض پہچان کر ملک و ملت کو بچانے کے طریقۂ کار کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت رائے پوری رحؒ کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا، مجھے یقین ہے کہ اگر آج وہ حیات ہوتے تو مجھے ان کی پوری سرپرستی حاصل ہوتی اور وہ پیچھے ٹھونکتے۔

۱۹۷۴ء میں ہم نے یہ کام شروع کیا تھا، میں اور مولانا منظور صاحب اس سلسلے میں دورے کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ مواخذہ نہ فرمائے ابھی یہ کام نہیں چھوڑنا چاہئے تھا، ہماری بڑی ہمت افزائی ہو رہی تھی مگر ہم

ہماری تقریروں کو سن کر کہتے تھے کہ بالکل انوکھی باتیں ہیں، اور ہندوؤں کی تعلیمات ہی صحیح ہیں، اس سلسلے کی ایک تقریر اخبار سے کسی نے حضرت رائپوریؒ کو سنائی کر علی میاں نے بنارس میں یہ کہا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔

"بھائیو! حالات نے پھر ثابت کیا کہ اس ملک میں یہ کرنے کا کام ہے، اسی احساس نے آپ تک پہونچایا ہے، خدا کرے کہ یہ آواز آپ کے ذریعہ سے اس علاقہ کے دور دراز گوشہ تک پہونچ جائے اور محبت و اخوت اور بھائی چارہ کی یہاں ایسی فضا قائم ہو کر ۱۹۴۷ء جیسے جنونی دور سے اس خطہ کو اور اس ملک کو کبھی نہ گذرنا پڑے۔"

اس کے بعد عبد الکریم صاحب پاریکھ اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے تقریر فرمائی۔

مدرسہ بیت العلوم پیپلی مزرعہ میں شب گذار کر صبح ناشتہ کے بعد ہمارا قافلہ چاند چک روانہ ہوا۔ یہاں دن میں ۱۰ بجے جلسہ تھا، راستے میں تحصیل کے مقام پر مقامی غیر مسلم بھائیوں نے چائے سے تواضع کی اور ہمارے ساتھ چاند چک کے جلسے میں شرکت کے لئے وہ لوگ بھی ہمراہ ہو گئے۔ راستہ خراب تھا اور کار سے سفر دشوار لہذا دو جیپوں اور ایک ٹرک میں ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔

پہاڑیوں کے دامن میں ایک وسیع میدان میں جلسہ کا انتظام تھا۔ اس جلسے میں بھی ہماچل پردیش کے علاقہ اور دور دور کے لوگ شریک تھے۔ تعارفی تقریر سید شاہ عبد الباسط صاحب قیصی سجادہ نشین حضرت شاہ قیص اعظم رحؒ کی ہوئی، بعد اس علاقہ کے ایک غیر مسلم نیتا نے استقبالیہ تقریر کی اور اس علاقہ کے غیر مسلم ممبر پارلیمنٹ کا وہ خط پڑھ کر سنایا جو انہوں نے اس اچھے موقع پر اپنی غیر حاضری کی معذرت اور تحریک پیام انسانیت کی کامیابی کی تمنا پر مشتمل بھیجا تھا جلسہ سے حضرت مولانا کے علاوہ پاریکھ صاحب نے خطاب فرمایا۔

جلسے سے فارغ ہو کر جلسہ گاہ سے متصل اس بستی میں واقع مدرسے پہنچے، یہ مدرسہ دس سال قبل قائم کیا گیا، اس کے بانیوں میں حافظ عبد الرشید صاحب خلیفہ حضرت رائے پوریؒ، حاجی عبد الکریم صاحب ملا عبد الرحمن صاحب، چودھری قمر الدین صاحب وغیرہ حضرات ہیں، مدرسہ میں ڈیڑھ سو بچے پڑھتے ہیں، تین مدرسین ہیں، ابتدائی دینیات اور حفظ قرآن مجید کا انتظام ہے۔

دوپہر کا کھانا مدرسہ میں ہوا، نماز ظہر کے بعد کچھ دیر آرام کر کے دسویں صدی ہجری کے ایک بزرگ حضرت شاہ عبد القادر قیص اعظم رحؒ کے مزار پر حاضری ہوئی، عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا، مزار سے متصل عالیشان مسجد میں پہونچے تو مسجد کا حال بہت ابتر پایا۔ نہ جا نمازیں، نہ وضو کے لئے لوٹوں کا انتظام، جھاڑو اور صفائی سے محروم خدا کے اس گھر کو دیکھ کر ہم سب پر بڑا اثر ہوا۔ حضرت مولانا نے درگاہ کے سجادہ نشین صاحب کو اس طرف متوجہ کیا۔ مزار پر رونق اور ہجوم اور مسجد نماز اذان اور صفائی سے محروم۔ مزار پر عورتوں کا (جن میں نوے فیصد غیر مسلم تھیں) ہجوم تھا، ہم لوگ جلد یہاں سے رخصت ہوئے ہمیں عشاء سے پہلے پہلے ننگلی پہونچنا تھا۔

(جاری)

بقیہ ص ۲۶: اسٹیشن سے باہر نکل کر ٹیکسی کی تلاش ہوئی، تین چار ٹیکسیاں کھڑی تھیں، لیکن کوئی جانے پر آمادہ نہیں ہوا۔ مجبوراً دو آٹو رکشا کر کے ہم لوگ گلبرگ مولانا فضل قدیر صاحب ندوی کے مکان روانہ ہوئے ظفر صاحب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب احمد حسنی صاحب (حضرت مولانا علی میاں کے ایک قریبی عزیز) اپنی کار سے کر آپ کو لینے آئے تھے لیکن ٹرین لیٹ ہونے اور اپنے دفتر کے ضروری کام کی وجہ سے انہیں واپس جانا پڑا۔

گلبرگ لاہور کا سب سے خوبصورت اور پرفضا علاقہ ہے، دو طرفہ وسیع سڑکیں، درمیان میں نہر دو رویہ خوبصورت درختوں کی قطاریں۔ ۲۳ ظفر علی روڈ پر پہونچے تو ایک بزرگ کو سراپا انتظار پایا، بڑی گرمجوشی سے معانقہ ہوا، استقبالیہ الفاظ کو ادا کرتے ہوئے خوشی سے نعرے لگانے کا سا انداز، یہ تھے مولانا فضل قدیر ندوی، عمر پچاسی اور نوے کے درمیان، ۱۹۱۸ء میں ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، ۱۹۲۳ء میں غالباً فارغ ہوئے۔

مادر علمی ندوہ سے ایسا عشق کہ جس کی مثال شاذ و نادر ملے۔ اس قلبی اور جذباتی تعلق کا اندازہ اسی شمارہ میں موصوف کے مضمون "دار العلوم ندوۃ العلماء میں میری ہشت سالہ سرگذشت" کو پڑھ کر بخوبی ہو سکتا ہے۔ تعمیر حیات کے قدر داں اور ندوۃ العلماء سے منسوب ہر چیز کے مداح اور عاشق۔

اپنے زمانہ کے ندوہ کے حالات سناتے رہے، اس دور کے حالات مجھ سے پوچھتے رہے، ان کی گفتگو کا سلسلہ جاری تھا کہ مولوی ظفر صاحب ندوی اور ان کے صاحبزادوں نے مجھے غسل اور کھانے سے فارغ ہو کر کچھ دیر آرام کا مشورہ دیا۔

(جاری)

بقیہ صفحہ ۲۵: ۱۵ اگست . . . . .

میں شامل ہو گئے، پنجاب اور بنگال کی تقسیم بھی ہو گئی اور مسٹر جناح کراچی کے لئے روانہ ہو گئے تو آخر کار انہیں احساس ہوا کہ ہندوستان کی تقسیم سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ اس کی وجہ سے وہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھے ہیں جناح کا الوداعی پیغام ایک ایسی چوٹ تھی جس نے انہیں چت کر دیا۔

اب یہ بات ان پر واضح ہو گئی کہ تقسیم کا واحد نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اقلیت کی حیثیت سے وہ اور بھی کمزور ہو گئے ہیں اس پر طرہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی نادانی کی حرکت سے ہندوؤں کے دل میں غصہ اور جلن پیدا کر دی۔

مسلم لیگ کے یہ لوگ برابر کہتے رہے کہ اب وہ ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر ہیں یہ بات ایسی بدیہی تھی کہ ان واقعات پر وہ جو اظہار غم کرتے تھے اس کی وجہ سے ان کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہوتی تھی، میں نے انہیں وہ بات یاد دلائی جو میں نے کیبنٹ مشن کے زمانے میں کہی تھی، ۱۵ اپریل کو میں نے ایک بیان دیا تھا جس میں میں نے ہندوستانی مسلمانوں کو بہت صاف لفظوں میں آگاہ کیا تھا میں نے کہا تھا کہ اگر ملک تقسیم ہوا تب ان کی آنکھ کھلے گی اور وہ دیکھیں گے کہ اکثریت والے علاقہ پاکستان میں شامل ہو جانے کے بعد بھی وہ ہندوستان ہی میں رہیں گے مگر ان کی حیثیت ایک ادنیٰ اور حقیر اقلیت کی سی ہو جائے گی۔

۱۵ اگست کو آزادی کی پہلی صبح کا خیر مقدم کرنے کے لئے خاص پروگرام مرتب کیا گیا تھا رات کے ۱۲ بجے مجلس دستور ساز کا جلسہ ہوا اور اس میں اعلان کیا گیا کہ اب ہندوستان آزاد ہو کر ایک خود مختار ریاست بن گیا ہے۔ نو بجے صبح کو اس مجلس کا دوبارہ جلسہ ہوا اور اس میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے افتتاحیہ تقریر کی سارے شہر پر ایک ہنگامہ خیز خوشی طاری تھی تھوڑی دیر کے لئے تو تقسیم کے کرب کا احساس بھی مٹ گیا شہر اور اس پاس کے علاقوں سے لاکھوں آدمی آزادی کو خوش آمدید کہنے کے لئے اکٹھا ہوئے تھے چار بجے شام کو آزاد ہندوستان کا پرچم بلند ہونے والا تھا اگست کی تپتی ہوئی دھوپ کے باوجود لاکھوں آدمی جمع ہوئے، بلکہ گھنٹوں پہلے سے بے پناہ گرمی میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے ایسا ازدحام تھا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اپنی کار سے باہر نہیں نکل پائے اور مجبوراً اسی کے اندر سے تقریر کرنی پڑی خوشی سے وجد کی کیفیت طاری ہو گئی تھی یہ حالت ۴۸ گھنٹوں سے زیادہ نہ رہی دوسرے ہی روز سے فرقہ وارانہ فسادات کی خبریں دار السلطنت پر افسردگی کے بادل بن کر چھا گئیں، یہ خبریں قتل، موت اور ایذا رسانی کی تھیں معلوم ہوا کہ مشرقی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں کے گاؤں پر حملے کیے ہیں مکان جلا رہے ہیں اور بے گناہ مردوں عورتوں اور بچوں کو قتل کر رہے ہیں وہاں مسلمان اسی طرح ہندو اور سکھ مرد عورتوں اور بچوں کو اندھا دھند قتل کر رہے تھے غرضیکہ پورا پنجاب اس قتل و غارت کی وجہ سے قبرستان بنتا چلا جا رہا تھا، وارداتیں بہت تیزی کے ساتھ یکے بعد دیگرے ہوتی رہیں پنجاب کے وزیر دوڑ دوڑ کر دلی آرہے تھے ان کے پیچھے مقامی کانگریس کے لیڈر آتے تھے جو غیر سرکاری لوگ تھے یہ سب ان واقعات سے دہشت زدہ تھے جو پنجاب میں رونما ہو رہے تھے خون خرابہ اتنے بڑے پیمانے پر ہو رہا تھا کہ ان کے ہوش و حواس گم تھے اور مایوسی کے عالم میں وہ کہہ رہے تھے کہ شاید یہ کسی طرح روکا نہ جا سکے گا ہم نے پوچھا کہ آپ لوگ فوج سے کیوں نہیں مدد لیتے انہوں نے جواب دیا کہ پنجاب میں جو فوج ہے وہ قابل اعتبار نہیں رہی ہے اور اس سے کچھ بہت مدد کی امید نہیں کی جا سکتی ان کا مطالبہ تھا کہ وہاں کے لئے دلی سے فوج بھیجی جائے پہلے دلی میں فسادات نہیں ہوئے لیکن جب چاروں طرف ملک میں قاتلانہ شعلے بھڑک رہے تھے دلی میں جو تھوڑی بہت ریزرو فوج تھی اس کا وہاں سے ہٹانا مصلحت کے خلاف تھا ہم لوگوں نے طے کیا کہ دوسرے مقامات سے فوج بلائی جائے لیکن فوج کے پہونچنے سے قبل فسادات کی آگ دار السلطنت تک پہونچ گئی قتل کی خبریں پنجاب سے آئیں اور ان کے پیچھے مغربی پنجاب سے پناہ گزیں آنے لگے تو دلی میں تشدد کا سلسلہ شروع ہو گیا معلوم ہوتا تھا کہ شہر پر قاتلوں کا قبضہ ہے فسادات صرف ان بستیوں تک محدود نہیں تھے جہاں رفیوجی آباد تھے یا جہاں عام لوگ رہتے تھے بلکہ وہ علاقے بھی لپیٹ میں آگئے جہاں صرف سرکاری ملازم رہتے تھے جب مغربی پنجاب کی خوں ریزیوں کی خبریں دلی پہونچیں تو دلی کے فساد پسند عناصر کی قیادت میں لوگوں کے ہجوم نے مسلمانوں پر دھاوا بول دیا دلی میں کچھ سکھوں نے ان قاتلانہ حملوں کی تنظیم میں بہت نمایاں حصہ لیا میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں کہ یرغمالیوں اور انتقامی کارروائیوں کے خطرناک نظریے کے بارے میں جو غیر ذمہ دارانہ باتیں ہوئی تھیں ان کی وجہ سے میں کسی قدر پریشان اور فکر مند ہو گیا تھا دلی میں ہم نے اس نظریے پر ایک بھیانک طریقہ سے عمل درآمد ہوتے ہوئے دیکھا، اگر مغربی پنجاب کے مسلمان ہندوؤں اور سکھوں کو قتل کر رہے تھے تو دلی کے بے قصور مسلمانوں سے اس کا بدلہ کیوں لیا جائے، یرغمالوں اور انتقام کا یہ نظریہ اس قدر ظالمانہ تھا کہ کوئی بھی صحیح دماغ کا اور شائستہ انسان اس کی حمایت میں ایک لفظ بھی کہنا پسند نہیں کرے گا۔

——— (انڈیا ونس فریڈم)

دائرہ معارف اسلامیہ میں مولانا حسنی کا تذکرہ

منصور نعمانی ندوی، رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ

اردو زبان و ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کی یہ عرصہ سے خواہش رہی تھی کہ ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) اردو میں بھی آجائے۔ اس سلسلہ میں مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم اور دیگر اکابر نے تحریک بھی کی تھی، لیکن یہ منصوبہ آغاز سے قبل ہی ختم ہو کر رہا اور یہ آواز صدا بصحرا ہو گئی، عرصہ کے بعد پروفیسر محمد شفیع نے اپنی زندگی میں دائرہ معارف اسلامیہ کی ابتدا کی، لیکن اس کام کی تکمیل سے قبل ہی ان کا پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا۔ مگر دھیرے دھیرے کام ہوتا رہا۔ اور اب اس ادارہ کے روح رواں ہند و پاک کے مشہور محقق و ادیب ڈاکٹر سید عبد اللہ ہیں جن کی اردو نوازی، علم دوستی، خوش سلیقگی سے چودہ جلدیں بڑے خوبصورت انداز میں شائع ہو چکی ہیں، ان کے ساتھ محققوں کی ایک ٹیم ہے جن کی شبانہ روز کی محنتوں سے یہ کارنامہ معرض وجود میں آیا، ابھی یہ کارنامہ اختتام کو نہیں پہونچا ہے، ابھی اس کی دس بارہ جلدیں اور شائع ہوں گی، یہ کام اگر مکمل ہو گیا تو تاریخ ساز کارنامہ ہوگا، اور اردو زبان بھی دوسری زبانوں سے آنکھیں چار کر سکے گی، اور اردو والوں کے لئے ایک اور قابل فخر چیز ہو جائے گی، دائرۃ المعارف کی بارہویں جلد میں مولانا سید عبد الحی صاحب حسنی کا ذکر خیر بھی آگیا ہے۔ اس تذکرہ میں بعض باتیں درج ہونے سے رہ گئیں، بعض کا ذکر تشنہ ہے، انہی تسامحات کی طرف تھوڑی روشنی ڈالنا ہے۔

———

مولانا جامع العلوم تھے، شعر و ادب، تاریخ و جغرافیہ، سیر و سوانح، اور طبقات و تراجم پر ان کی نظر بہت وسیع و عمیق تھی، اردو و عربی زبان و ادب پر ان کو یکساں عبور تھا، اردو میں تذکرہ گل رعنا اور یاد ایام اور عربی زبان میں عوارف المعارف اور جنۃ المشرق اس کی شاہد ہیں۔

مولانا کا سب سے عظیم اور علمی ناقابل فراموش کارنامہ نزہۃ الخواطر ہے، سرزمین ہند میں بڑے بڑے سلاطین و کشور کشا، ادباء، شعراء، مشائخ و صوفیہ، وزراء اور امراء غرض کہ ہر فن کے عدیم النظیر علماء و فضلاء اور ہر صنف کے ارباب کمال پیدا ہوتے رہے لیکن ان کا کوئی جامع تذکرہ نہیں تھا، مولانا نے اس کام کی اہمیت و ضرورت کو محسوس کیا اور سالہا سال کی عرق ریزی و جاں فشانی کے بعد آٹھ جلدوں میں اس تذکرہ کو یکجا کیا، مولانا کی شدید محنت اور جانکاہی کا اندازہ اس سے ہو جاتا ہے کہ اس کی ترتیب میں عربی و فارسی کی تین سو سے زیادہ مطبوعہ اور قلمی کتابوں سے مدد لی گئی، اور ساڑھے چار ہزار سے زیادہ اشخاص کے حالات و سوانح اور کارنامے قلمبند کئے۔ مولانا اپنے اس نادرۂ روزگار علمی کارنامہ کے سبب ابن حجر صاحب الدرر الکامنہ (م ۸۵۲ھ) حافظ سخاوی صاحب الضوء اللامع (م ۹۰۲ھ) حافظ سیوطی صاحب بغیۃ الوعاۃ و نظم العقیان (م ۹۱۱ھ) طاش کبری زادہ صاحب مفتاح السعادۃ (م ۹۶۸ھ) عبد القادر حضرمی صاحب النور السافر۔ حاجی خلیفہ صاحب کشف الظنون جیسے باکمالوں کی صف میں جگہ پاتے ہیں۔ اور مولانا کا یہ کارنامہ اس وقت اور وقیع ہو جاتا ہے جب کہ یہ کارنامہ صرف اپنے ملک و وطن کے ارباب فضل و کمال تک محدود ہے، اور متذکرہ بالا تذکروں میں اپنے وطن کے علاوہ دیگر اماکن و امصار کے علماء کا تذکرہ بھی ہے، کتاب کی زبان قدمار کے طرز کی نہایت فصیح اور بلیغ ہے روانی و سلاست اس پر مستزاد، واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب اسلامی ہند کی علمی و سیاسی و ثقافتی تاریخ اور عربی طبقات و تراجم میں ایک نہایت بیش قیمت اضافہ ثابت ہوئی ہے۔

———

دائرۃ المعارف میں مولانا کا تذکرہ مولانا نسیم احمد فریدی نے لکھا ہے، جو اچھے اہل قلم اور مولانا کے حالات ان کے خاندان اور بزرگوں سے بہت واقفیت رکھتے ہیں۔ یہ مضمون پرانا معلوم ہوتا ہے مگر ماخذ کی جو فہرست آخر میں دی ہے، اس میں حیات عبد الحی کا بھی تذکرہ ہے۔ اس کی موجودگی میں یہ تسامح حیرت کا باعث ہیں۔

۱۔ مولانا کی ولادت کے سلسلہ میں لکھا ہے "دائرہ سید علیم اللہ میں پیدا ہوئے"۔

(جلد ۱۲، ص ۸۵۵)

یہ تسامح شاید اسی سلسلہ کی کڑی ہو۔ جس جانب مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے بہت دلچسپ انداز میں یوں اشارہ کیا ہے "خوب یاد ہے کہ ہم آپس میں ہمیشہ "شاہ لیم اللہ صاحب" کہتے اور یہ تو عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ صحیح نام علیم اللہ نہیں علم اللہ ہے۔ جو ہم بچوں اور کم سواد لوگوں ہی کے لئے نہیں، خواص اور اچھے لوگوں کے لئے بھی ہندوستان میں ایک نامانوس نام ہے اور اب بھی اچھے پڑھے لوگ، تحریروں اور خطوں میں علیم اللہ ہی لکھتے ہیں"۔

(مقدمہ تذکرہ شاہ علم اللہؒ)

۲۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی حیات عبد الحی ۱۹۷۰ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی۔

(جلد ۱۲، ص ۸۵۷)

کتاب کا صحیح نام حیات عبد الحی ہے اور آخر میں ضمیمہ میں ڈاکٹر عبد العلی کے حالات ۵۶ صفحات میں درج ہیں، اور یہ کتاب لکھنؤ سے نہیں بلکہ ندوۃ المصنفین دہلی سے نومبر ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

۳۔ نزہۃ الخواطر جلد ثانی کے متعلق لکھا ہے "آٹھویں صدی سے تیرہویں صدی تک مشاہیر علماء کے حالات ہیں"۔ یہ صحیح نہیں ہے جب کہ دوسری جلد آٹھویں صدی کے علماء و مشائخ و اعیان پر مشتمل ہے اور یہ علامہ ابن حجر کی کتاب الدرر الکامنہ کے ذیل کے طور پر عرصہ ہوا شائع ہو چکی ہے۔

۴۔ نزہۃ الخواطر جلد سوم کے متعلق رقم طراز ہیں "جلد سوم موجودہ صدی کے اعیان و اکابر کے حالات میں ہے" یہ بھی صحیح نہیں ہے، جلد سوم صرف نویں صدی ہجری کے علماء و اکابر پر مشتمل ہے۔

مولانا نسیم فریدی کے انداز تحریر سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ کتاب تین جلدوں میں ختم ہو گئی جب کہ اس کے پانچ حصے اور ہیں اور ان کی صدی وار ترتیب یہ ہے،

۵۔ جلد چہارم دسویں صدی کے علماء و مشائخ کے حالات پر ہے اور شائع ہو چکی ہے۔

۶۔ جلد پنجم گیارہویں صدی کے علماء و مشائخ کے حالات پر ہے اور یہ بھی طبع ہو چکی ہے۔

۷۔ جلد ششم بارہویں صدی کے علماء و مشائخ کے حالات پر مشتمل ہے اور یہ بھی زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔

۸۔ جلد ہفتم تیرہویں صدی کے اکابر علماء و اعیان پر مشتمل ہے اور عرصہ ہوا شائع ہو چکی ہے۔

۹۔ جلد ہشتم چودہویں صدی کے اکابر علماء و اعیان کے حالات پر ہے یہ ناتمام تھی اس پر اضافہ و تعلیق مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی ہے اور یہ بھی دائرۃ المعارف حیدر آباد سے شائع ہو چکی ہے۔

۱۰۔ مولانا کی کتابوں میں "گل رعنا" مقبول عام کتاب ہے، اس تذکرہ میں اس کا ذکر بھی نہیں کیا گیا ہے، جب کہ یہ کتاب ۱۹۲۵ء میں دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہو چکی ہے۔

۱۱۔ امیر مینائی کے تذکرہ میں "گل رعنا" کا حوالہ دیا گیا ہے اور اس کو مطبوعہ معارف پریس علی گڈھ لکھا گیا ہے (جلد سوم ص ۲۷۹) جب کہ یہ کتاب معارف پریس اعظم گڈھ سے شائع ہوئی ہے۔

۱۲۔ عوارف المعارف ——— یا الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند کے متعلق درج نہیں کہ یہ کب اور کہاں سے شائع ہوئی، یہ کتاب المجمع العلمی دمشق سے ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی اور اس کا اردو ترجمہ مولانا ابو العرفان ندوی نے کیا ہے جو ۱۹۷۰ء میں "اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" کے نام سے دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہو چکا ہے۔

۱۳۔ اسی طرح مولانا کی مایہ ناز عربی کتاب "جنۃ المشرق و مطلع النور المشرق" کے متعلق کوئی تفصیل نہیں لکھی۔ یہ کتاب عربی زبان میں دائرۃ المعارف حیدر آباد سے ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی اور اس کا ترجمہ "ہندوستان اسلامی عہد میں" کے عنوان سے مولوی شمس تبریز خان نے کیا جو ۱۹۸۶ء میں مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوہ لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی پیش نظر تھا خدا کرے جلد وہ مکمل ہو کر شائع ہو سکے۔!!

(انگریزی ترجمہ شائع ہو گیا ہے)

مطالعہ کی میز پر

(تبصرہ کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں)

از: شمس تبریز خاں

تجدید دین: از وحیدالدین خاں صاحب صفحات ۴۸ قیمت دو روپے

پتہ: مکتبہ الرسالہ، جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ۔ دہلی

جناب وحیدالدین خاں صاحب کی کتاب "علم جدید کا چیلنج"، جن کو لوگوں نے قدر کی نگاہ سے دیکھا تھا اور اس کے مصنف سے یہ توقعات قائم کی تھیں کہ ان کا قلم دینی حقائق اور سائنسی انکشافات کے درمیان خلیج کو پاٹنے میں ایک دن کامیاب ہوگا، ان کو موجودہ رسالے اور اس سے پہلے مصنف کی کتاب "الاسلام" دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی ہوگی کہ خاں صاحب کا قلم باطل شکنی کے بجائے اب "خانہ جنگی" میں مصروف ہوگیا ہے اور اسلام کی ایسی ہی ذاتی، ایجاد بندہ اور خانہ ساز قسم کی تاویلیں کرنے لگا ہے اور تجدید کے نام پر اپنی جدت پسندی اور تجدد کو تسکین دے رہا ہے اور اسلامی علوم وفنون میں ایسی ترمیم و اصلاح بلکہ حذف و تنسیخ کرنا چاہتا ہے جس سے اسلام کا چہرۂ زیبا ہی مسخ ہوکر رہ جاتا ہے۔

خاں صاحب نے ادھر دو چار سال کے عرصے میں جس قسم کی رایوں کا اظہار شروع کردیا ہے ان پر رائے زنی اور غلطیوں کی نشاندہی کے لئے ایک طویل مضمون کی ضرورت ہے موجودہ مختصر تبصرے میں صرف چند قابل اعتراض عبارتوں کے بعض حصے پیش کئے جا رہے ہیں جن میں کہیں مبالغہ، کہیں غلط بیانی، اور کہیں غلط فہمی سے کام لیا گیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:۔

"دین کے اوپر گرد وغبار کی وجہ ہمیشہ ایک ہی رہی ہے اور وہ ہے آسمانی متن میں انسانی اضافہ" اور پھر اسلام پر اس کا اطلاق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"آج اسلام پر یہ سارے "گرد وغبار" اسی طرح پڑ چکے ہیں جس طرح وہ پچھلی امتوں کے دین پر پڑے تھے۔ اسلام کی تجدید کا کام سب سے پہلے ان آمیزشوں کو اس سے الگ کرنا ہے خدا کے دین کو از سر نو زندہ کرنے کی کوئی کوشش اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی، جب تک اس کو انسانی گرد و غبار سے پاک نہ کردیا جائے" (۴)

اس کے بعد موصوف کو یہ "گرد وغبار" فقہ کے دبستانوں سے اڑتی نظر آتی ہے اور وہ اس کے خلاف اپنے غم وغصہ اسلام میں عبادت کے ساتھ طریقۂ عبادت کی جو اہمیت ہے اور جس کے لئے سنت نبوی کی اہمیت ہے اس سے الگ ہٹ کر مصنف رسالہ کی رائے یہ ہے کہ "اسی طرح فرق کی ایک وجہ یہ ہوئی کہ اسلام میں اصل اہمیت حقیقت عبادت کی ہے نہ کہ شکل عبادت کی ادائیگی کے دوران اگر اس کی شکل میں معمولی فرق ہوگیا تو آپ نے اس کو نظر انداز کیا" (۸)

لیکن مصنف یہ بھول رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض خصوصی حالات میں (بعض لوگوں کی غلطیوں کو بھی صحیح مان لیا تو ان کی حیثیت شارع اور قانون ساز کی تھی، اب ہم آپ کسی عبادت کی شکل وہیئت میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتے اور اسلام میں حقیقت عبادت ہیئت عبادت کے ساتھ مربوط ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ میں اس موضوع پر ایک مستقل باب لکھا ہے، فقہاء کی ساری کوشش یہ رہی ہے کہ مختلف روایات میں تطبیق پیدا کی جائے اور اختلاف کو دور کرکے مسائل کی متعین اور واضح شکل معلوم کی جائے جس کی بنیاد کتاب وسنت، اجماع وقیاس یا عرف واستحسان یا مصالح مرسلہ پر ہو۔ صاحب رسالہ نے فقہ کے سلسلے میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ شخصی وانفرادی رائے و قیاس یا گروہی عصبیت کا نتیجہ ہے حالانکہ دونوں باتیں تاریخ فقہ کو سامنے رکھنے سے غلط نظر آتی ہیں کسی فقیہ کی کوئی شخصی رائے نہیں ہوتی بلکہ فقہ کے بنیادی یا ذیلی ماخذ ہی سے مستنبط ہوتی ہے اور فقہ کا ایک ایک جزئیہ انہی ماخذ سے نکلا ہوا ہے۔ اسی طرح فقہی دبستانوں کا اختلاف طریق اجتہاد، علمی استدلال اور انداز بحث اور ترجیح وتخریج کا اختلاف ہے ورنہ سارے ہی دبستان کتاب و سنت ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو غلط اور باطل نہیں سمجھتے۔ فقہی دبستانوں کے اختلاف کے سلسلے میں عام طور پر جس غلط فہمی، تعصب اور تشدد سے کام لیا جاتا ہے وہ کم علمی کا نتیجہ ہے ورنہ اہل نظر سب کا احترام کرتے ہیں اور سب کو شرعی نصوص پر مبنی سمجھتے ہیں۔ اس سیاق میں امام شعرانی کی "المیزان الکبریٰ"، اور شاہ ولی اللہؒ کی "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" بہت سی غلطیوں کا ازالہ کردیتی ہیں۔ فقہ کے اس پس منظر کو سامنے رکھئے تو مؤلف رسالہ کی یہ مبالغہ آمیز رائے کس قدر غلط نظر آتی ہے کہ "اس قسم کے مباحث ومسائل کا نتیجہ یہ ہوا کہ فقہ اسلامی کے نام سے ایسا فن وجود میں آگیا جس سے اصحاب رسول بھی ناواقف تھے کسی صحابی کو خبر بھی کہ وضو میں مثلاً چار فرض ۱۳ سنتیں ہیں اور آٹھ مستحبات"۔ علم دین کے بارے میں فقہ کے ایجاد کردہ اس فنی معیار نے بعض اوقات بڑی ناپسندیدہ چیزیں پیدا کردیں الخ" (صفحہ ۱۱)

یہاں سوال یہ ہے کہ صحابہ کے زمانہ میں یا عہد رسالت میں یہ امور نہیں انجام دیے گئے تو کیا فقہاء نے اپنی طرف سے یہ درجہ بندی کردی؟ کسی چیز کا نام متعین نہ ہونے سے اس کا عدم تو لازم نہیں آتا، فقہی اصطلاحات کے سلسلے میں بھی یہی ہے کہ بعض اصطلاحات بعد میں متعین ہوئیں مگر وہ عہد رسالت ہی میں داخل تھیں۔

اسی طرح کتاب وسنت میں جو علوم وفنون اجمالاً مذکور تھے علماء اسلام نے انہی کی تفصیل وتشریح کی جس کے لازمی نتیجے کے طور پر علوم اسلامیہ نے ارتقائی شکل اختیار کی۔

فقہ کے بعد مؤلف نے اسی جارحانہ انداز اور تدلیس وتلبیس سے کام لیتے ہوئے تصوف پر اظہار خیال کیا ہے۔ ایک جگہ مؤلف نے لکھا ہے "ہر چیز کو "شرعی مسئلہ" بنانا قطعاً اسلام کے خلاف ہے۔ یہ تو وہ یہودیت ہے جس کو مٹانے کے لئے نبی آخر الزماں کو مبعوث کیا گیا تھا" (صفحہ ۳۲)

مؤلف سے سوال یہ ہے کہ کون سا مسئلہ ہے جو شریعت کے دائرے سے باہر ہے اور جس پر حق و ناحق یا خیر وشر کا اطلاق نہیں ہوسکتا، اور کیا اسلام ہمہ گیریت کا قائل نہیں؟ مؤلف تو اس ذہن کی ترجمانی کررہے ہیں جو آزاد خیال اور سیکولرزم کے دھوکے میں شریعت کے دائرے کو محدود کرکے بالآخر دین وسیاست کو ایک دوسرے سے جدا کردیتا ہے۔

اخیر میں مؤلف کی ایک انتہا پسندانہ رائے درج کی جاتی ہے جس سے ان کے موجودہ انداز بحث کو سمجھا جاسکتا ہے، لکھتے ہیں:۔

"آج پیغمبر آخر الزماں کی امت خود انہیں" اصر واغلال "کے نیچے دب چکی ہے ان کے فقہاء ومشائخ نے اسلام میں وہ سارے کر ڈالے ہیں جو یہودی فقیہوں اور فریسیوں نے شریعت موسوی میں کیے تھے، آج اسلام کی تجدید کا پہلا کام یہ ہے کہ اسلام کو ان تمام اضافوں سے پاک کردیا جائے جب تک یہ کام نہ ہو اسلام کو زندہ نہیں کیا جاسکتا" (صفحہ ۳۸)

جس امت کے بارے میں امت کے نبیؐ نے فرمایا تھا کہ "لا تجتمع امتی علی الضلالۃ" (میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی) اور جس کے اہل حق کے بارے میں ارشاد رسولؐ ہے کہ "وہ قیامت تک حق پر قائم رہیں گے اور انہیں کوئی رسوا نہیں کرسکے گا"، اس کے بارے میں مؤلف رسالہ یہ ارشاد فرما رہے ہیں!

براتِ معنیٰ: از: رئیس نعمانی صفحات ۸۰ قیمت تین روپے

پتہ: علمستان ۱۹۱، اصطبل چار باغ، لکھنؤ

رئیس نعمانی ایک صاحب ذوق نوجوان شاعر ہیں، فارسی میں بھی کہتے ہیں، اس مجموعہ میں زیادہ تر فارسی غزلیں کچھ قطعات اور متفرق اشعار ہیں۔ غزلیں اس لحاظ سے غنیمت ہیں کہ ان کے بعض اشعار میں جدید فارسی کے الفاظ وتراکیب بھی موجود ہیں، جو ہندستان کی روایتی فارسی غزل گوئی کو دیکھتے ہوئے جدت کا نمونہ ہیں۔ اشعار صاف ستھرے اور سطحیت سے پاک ہیں۔ زبان وبیان کی بعض کمزوریوں سے قطع نظر کلام اچھا ہے اور ہونہار شاعر سے اچھی توقعات وابستہ کرتا ہے۔ چند اچھے اشعار ملاحظہ کریں ؎

زنجیر رسوم دو جہاں از بشکستم
امید از دلبراں صد معنیٰ دل خوشکنے دارد
ایں دو جہاں بحسب مرادت نیافرید
نمی دانم کجا دل باہمہ ہوش وخبر گم شد

بندے کہ بدل ہست بریدن نتوانم
بذوقے می فریبم خاطر آشفتہ کارم را
اے دل مجوے جلوۂ مرغوب دیدہ را
خدایا رہنما باش آنکہ اسست سفر گم شد

کلید آیات: از محمد خالد محمد یوسف پٹیل صاحب، صفحات ۱۲۸، قیمت، ۵ روپے

پتہ محمد خالد صاحب ۳۵ پٹیل محلہ، نظام پور، پوسٹ بھیونڈی۔ ضلع تھانہ (مہاراشٹر)

یہ کتابچہ ان اہل علم کے بہت کام کا ہے جن کو اپنے علمی ودینی کاموں کے سلسلے میں قرآن مجید کی آیات کے حوالے مطلوب ہوتے ہیں۔ عربی میں محمد فواد عبدالباقی نے "المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم"، شائع کرکے امت پر احسان کیا ہے مگر وہ ہندستان میں کمیاب ہے۔ یہ کتابچہ بڑی حد تک اس کی تلافی کرسکے گا۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو اس کی جزائے خیر دے۔ مؤلف سے گذارش ہے کہ دوسرے ایڈیشن میں اسے اور بہتر بنانے کی کوشش کریں تو اس کی افادیت اور بڑھ جائے۔

اعلان نتائج سالانہ امتحان معہد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ بابت ۱۳۹۸ھ

درجہ ہشتم

- محمد ایوب کشمیری — اول ۱
- عبدالرؤف — 〃 ۲
- محمد مصعب قریشی — 〃 ۳
- نفیس احمد الہ آبادی — 〃 ۴
- محمد طالب — 〃 ۵
- محمد نعیم — 〃 ۶
- شکیل احمد — دوم ۱
- محمد رضوان — 〃 ۲
- عبدالہادی — 〃 ۳
- محمد جاوید غازیپوری — 〃 ۴
- جلال الدین — کامیاب
- محمد احسان — مترقی
- انوار الحق — 〃
- محمد ناصر — 〃

درجہ ہفتم

- شہود الاسلام — اول ۲
- صدر الاسلام — 〃 ۳
- عبدالمنان — 〃 ۴
- نجیب اشرف — دوم ۱
- عبدالاحد خاں — 〃 ۲
- شفیع احمد — 〃 ۳
- حبیب احمد خان — 〃 ۴
- آفتاب عالم — 〃 ۵
- شاہد علی — مترقی
- مطیع الرحمٰن — 〃
- شجاعت علی — 〃

درجہ ششم (الف)

- نیر رخشاں — اول ۱
- عتیق احمد کرسی — 〃 ۲
- محمد وسیم — 〃 ۳
- محمد ارشد — دوم ۱
- محمد عثمان — 〃 ۲
- عبدالحی — مترقی
- عبداللہ — 〃
- ماہ زماں اقبال — 〃
- عباد الرحمان — 〃

درجہ ششم (ب)

- محمد نذر المبین — اول ۱
- محمد شجاع الدین — 〃 ۲
- خالد رضا جیلانی — 〃 ۳
- عبدالحلیم — اول ۴
- معین الدین — 〃 ۵
- نور العین — دوم ۱
- عبدالعزیز — 〃 ۲
- شاہد اشرف — 〃 ۳
- نثار احمد — مترقی
- محمد اقبال — 〃
- سید محمد ظفر اقبال — 〃
- رفیع الدین — 〃

درجہ پنجم

- محمد اکرم — اول ۱
- سرفراز احمد — دوم ۲
- قمر الہدیٰ — 〃 ۳
- حبیب حسن — 〃 ۴
- فیاض احمد — 〃 ۵
- محمد صغیر — 〃 ۶
- ملک محمد شعیب — 〃 ۷
- کرامت حسین — کامیاب
- محمد آصف ثانی — مترقی
- مستنیر احمد — 〃
- محمد افروز طالب — 〃
- افتخار احمد — 〃
- عبدالرشید — 〃
- عبدالصمد — 〃

درجہ چہارم (الف)

- محمد اکرم — دوم ۱
- محمد انتظار الدین — 〃 ۲
- محمد اسلام — 〃 ۳
- محمد رئیس — کامیاب
- احمد میاں — مترقی
- جمیل احمد — 〃
- عظمت اللہ — 〃
- حسین علی — 〃
- محمد رضوان — 〃
- محمد ریاض الحسن — 〃

درجہ چہارم (ب)

- محمد عتیق — اول ۲
- محمد علی — 〃 ۳
- سید محمد حبیب — 〃 ۴
- نور الامین — 〃 ۵
- احتشام الرحمٰن — دوم ۱
- محمد قاسم — 〃 ۲
- نور بصر — دوم ۳
- مبین احمد — 〃 ۴
- محمد احمد — 〃 ۵
- محمد علی ۲ — کامیاب

درجہ سوم (الف)

- محمد عثمان — اول ۱
- محمد سلمان — 〃 ۲
- رمضان علی — 〃 ۳
- محمد اعجاز — دوم ۱
- محمد اسلم — 〃 ۲
- محمد عظیم — کامیاب
- جاوید علی — 〃
- محمد قاسم — مترقی
- محمد اقبال — 〃
- محمد اکرام الحق — 〃
- منہاج احمد — 〃

درجہ سوم (ب)

- محمد اختر — اول ۱
- طارق شفیق اول — 〃 ۲
- محمد خلیل — 〃 ۳
- محمد اشتیاق — 〃 ۴
- محمد اسلم — 〃 ۵
- عنایت اللہ — 〃 ۶
- نسیم اختر — 〃 ۷
- عتیق الزماں — دوم ۱
- حشمت قمر — 〃 ۲
- شاہ آصف جیلانی — 〃 ۳
- محمد عرفان — مترقی
- محمد شبلی — 〃
- ارشد علی خاں — 〃
- محمد رضوان صدیقی — 〃
- رفیع احمد — 〃
- امام احمد لاری — 〃

درجہ دوم (الف)

- محمد شکین — دوم ۱
- محمد اکرام — 〃 ۵
- محمد وسیم — کامیاب
- محمد وارث — 〃
- محمد شفیق عالم — 〃
- محمد اسلم — 〃
- بشیر احمد — 〃
- محمد اخلاق — 〃
- محمد شفیق ثانی — کامیاب
- انوار احمد — 〃
- عزیز الرحمان — 〃
- مختار احمد — 〃
- محمد فاضل — 〃
- جمیل الرحمان — 〃
- محمد ناصر — 〃
- غلام محمد — 〃
- انیس احمد انصاری — 〃
- افروز اختر — 〃
- پرویز اختر — 〃
- محمد ہارون — مترقی

درجہ دوم (ب)

- خالد اشرف — اول ۱
- حفیظ اللہ — اول ۳
- معین الدین — 〃 ۴
- سلیمان نبی — 〃 ۵
- غفران احمد — 〃 ۷
- محمد مشیر — 〃 ۹
- لعل محمد — دوم ۱
- عامرہ — 〃 ۲
- اسرار علی — 〃 ۳
- عائشہ خاتون — کامیاب
- عبدالعزیز — مترقی

درجہ اول (الف)

- طارق رضا جیلانی — اول ۲
- محمد اسلم — 〃 ۳
- معین احمد — 〃 ۴
- اقبال حسین — 〃 ۶
- محمد جعفر — 〃 ۷
- محمد رفیع — 〃 ۱۰
- محمد صہیب قریشی — 〃 ۱۱
- ضیاء اللہ — 〃 ۱۲
- محمد ارشد — 〃 ۱۳
- محمد عرفان — 〃 ۱۴
- بشریٰ نکہت — 〃 ۱۵
- شکیل احمد — دوم ۱
- محمد حبیب — 〃 ۲
- اجر النساء — 〃 ۳
- فضل الرحمٰن — 〃 ۴
- بشیر احمد — 〃 ۵
- فیاض احمد — 〃 ۶
- محمد رضوان — 〃 ۷
- محمد خالد — کامیاب
- عائشہ بانو — 〃
- شکیل احمد ۱ — 〃
- محمد جمیل — 〃
- محمد بشیر — 〃
- محمد خلیق — 〃
- عبدالرشید — 〃
- گلنار — 〃

درجہ اول (ب)

- ضیاء الدین — اول ۱
- وکیل الدین — 〃 ۲
- محبوب علی — 〃 ۳
- مرتضیٰ علی — 〃 ۴
- ملک محمد یعقوب — 〃 ۵
- شاہینہ خاتون — 〃 ۶
- عامرہ خاتون — 〃 ۷
- محمد عارف — 〃 ۸
- عیاض خاں — 〃 ۹
- ابرار عالم — 〃 ۱۰
- بی بی طیبہ — دوم ۱
- عبدالمنیر — 〃 ۲
- محمد اکرم — 〃 ۳
- محمد یقین — 〃 ۴
- محمد وارث — 〃 ۵
- محمد عظیم — 〃 ۶
- عائشہ خاتون — کامیاب
- ریشما بانو — 〃
- محمد عرفان بن منا — 〃
- محمد احمد — مترقی
- ولید احمد — 〃
- اشرف علی — 〃

درجہ اطفال (الف)

- نصیر الدین — اول ۲
- محمد انیس — 〃 ۳
- صوفیہ پروین — 〃 ۴
- محمد عرفان ۲ — 〃 ۶
- خلیل الدین — 〃 ۷
- فرید احمد — 〃 ۸
- محمد اسلام — 〃 ۹
- محمد جابر — 〃 ۱۰
- محمد رفیق — 〃 ۱۱
- شاہین بانو — 〃 ۱۲
- پروین بانو ۲ — دوم ۱

(بقیہ صفحہ ۳۲ پر)

ندوۃ العلماء

منزل بہ منزل

قسط ۳

ندوۃ العلماء کا
چوتھا اجلاس
منعقدہ ــــ میرٹھ
۲۱، ۲۲، ۲۳، مارچ ۱۸۹۶ء

جلسۂ خاص اور تجاویز

بینک اکاؤنٹ: بہ نسبت پہلے دن کے آج مجمع زیادہ تھا، پنجاب و پورب کے علماء ملا کر اس وقت ایک سو سے زیادہ رونق بخش مجلس تھے، پہلے مسئلہ یہ پیش کیا گیا کہ بینک میں حفاظت کی غرض سے بلا اخذ سود کے روپیہ جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعد غور و مباحثہ کے طے ہوا کہ ایسے بینک میں جو سود قطعاً نہیں دیتا حفاظت کی غرض سے روپیہ جمع کرنا بلا اخذ سود کے جائز ہے۔ بعض حضرات کی یہ رائے ہوئی کہ یہ صورت امانت کی ہے مگر مفتی غلام رسول صاحب امرتسری نے فرمایا کہ اس کی صورت قرض کی ہوگی اور کتب فقہ میں بتصریح موجود ہے کہ کفار کو قرض دینا حالت مصالحت میں جائز ہے اور یہ صورت معاونت کفار کی نہیں ہے اس پر بالآخر اتفاق ہوا اس کے بعد دستور العمل صیغہ دار العلوم پیش ہوا اور بعد غور و فکر کے بہ ترمیم و اضافہ منظور ہوا اس کے بعد یہ طے ہوا کہ کل ارکانِ انتظامی جنہوں نے انتخاب کے بارے میں اپنی تحریری رائیں نہیں بھیجیں تو وہ ایک ہفتہ کے اندر قلمبند کر کے ناظم ندوہ کے پاس بھیجدیں جب سب رائیں جمع ہو جائیں تو ناظم صاحب کثرت آراء کے لحاظ سے یہ مشتہر کریں کہ کون کون حضرات معتمد یا رکن منتخب ہوئے ہیں۔

اجلاس چہارم ۷، شوال ۱۳۱۳ھ ۷ بجے سے ۱۲ بجے تک

خلاصۂ تقریر مولانا شبلی صاحب نعمانی رح:

انگریزی مدارس میں مذہبی تعلیم: انگریزی تعلیم کی وجہ سے مذہبی تعلیم میں جو دقت اور خرابی پیش آگئی ہے اس کی اصلاح کے لئے اب تک جو تدبیریں اختیار کی گئی ہیں وہ سود مند نہیں ہوئیں، ان مشکلات پر نظر کر کے امروہہ کے ایک مسلمان رئیس نے اپنی محنت و وقت صرف اس بات کی کوشش کی کہ انگریزی مدرسوں میں مذہبی تعلیم کا وقت دیا جائے اس کے واسطے وہ دو مہینے نینی تال میں جا کر رہے اور آخر کو ایک حد تک کامیاب ہوئے۔ گورنمنٹ نے ہفتے میں دو بار نصف نصف گھنٹہ مذہبی تعلیم کے واسطے دیا ہے اور اس کا انتظام اور نصاب درس کا رد و بدل مسلمانوں کی تجویز پر رکھا ہے۔

مولوی مشتاق حسین صاحب رئیس امروہہ نے اس کے قواعد علیحدہ چھپوا لئے ہیں جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہیں، ان کی خواہش ہے کہ ندوۃ العلماء اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے اس کو جس طریقے سے مناسب ہو جاری کرے اور نصاب درس جاری کرے، لہٰذا میں اس کو پیش کر کے یہ تحریک کرتا ہوں کہ اس رعایت کے بابت گورنمنٹ کا اور اس کوشش کے بارے میں مولوی مشتاق حسین صاحب کا شکر گذار ہونا چاہیئے۔

خلاصۂ تقریر مولانا عبد الحق صاحب دہلوی:

حضرات! کل ہمارے مولانا شبلی نعمانی نے جیسے دار العلوم کی ضرورت آپ کے سامنے ثابت کی ہے اس میں کچھ شبہ نہیں، اب اس کے متعلق یہ بحث پیش ہے دار العلوم قائم تو ضرور ہو مگر کہاں ہو؟

دہلی بہتر ہے: میرے نزدیک دہلی سے بہتر اس کے لئے کوئی مقام نہیں ہو سکتا چند باتیں جو دہلی کو حاصل ہیں وہ دوسرے شہروں کو حاصل نہیں ہیں، جو دینداری اب بھی دہلی میں ہے وہ کہیں نہیں، دنیا بھر کے وضع لباس تبدیل ہو گئے مگر دہلی والوں کی اب بھی وہی پرانی وضع ہے، وہاں کی آب و ہوا میں خاص علم کا اثر ہے، یہی وجہ ہے کہ اس سرزمین سے بڑے بڑے ذی رتبہ علماء و مشائخ پیدا ہوئے سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ دہلی ہمیشہ سے اسلامی دار السلطنت رہا ہے اس لئے اس کا حق تمام شہروں پر ہے، جس وقت دار العلوم یہ کہتا ہوا اٹھے گا کہ میں تمہاری دار السلطنت دہلی کا رہنے والا اور اس کی قدیم شان و شوکت اور علم و عمل کا تازہ کرنے والا ہوں، تم میری مدد کرو تو اس کی یہ پُر درد صدا سنکر کون ایسا شخص ہے جس کو دار العلوم کا کچھ خیال نہ پیدا ہوگا بخلاف دوسرے شہروں کے کہ ان کا حق دوسرے شہروں پر نہیں دار العلوم کل مدارس کا بادشاہ ہوگا تو اس کا پایہ تخت بھی دہلی کو ہونا چاہیئے۔

خلاصۂ تقریر مولانا سید محمد شاہ صاحب رامپوری:

صاحبو! انکار بھی کرتے ہیں تو ترجیح ہے، لہٰذا دار العلوم کے لیے دہلی انسب ہے، کیسے بڑے بڑے اولیاء اللہ اور علماء یہاں سے اٹھے اور یہاں مدفون ہوئے جن سے تمام ہندوستان فیضیاب ہوا، ہزاروں اولیاء اللہ کے اجداد کرام اسی سرزمین میں مدفون ہیں ہر علم کا مرجع و منبع بھی یہی سرزمین ہے۔

انگریزی پڑھائی جائے: صاحبو! جو صاحب نوکری پیشہ ہیں ان کو ضرورتِ زمانہ کی وجہ سے انگریزی پڑھنا ہوتی ہے، اسی وجہ سے ہمارے عزیز و اقارب بعض مدرسوں میں جا کر پڑھتے ہیں جب وہاں سے پڑھ کر آتے ہیں تو داڑھی منڈائے مونچھیں بڑھائے کوٹ پتلون پہنے ملحدانہ باتیں کرتے ہوتے ہیں، اس وجہ سے اراکین ندوہ اور معتمدین علماء اور عمائد جلسہ نے یہ تجویز کیا کہ ایک دار العلوم قائم ہو اس میں سب طرح کے علم پڑھائے جائیں منجملہ اس کے بعض کو بعد علم دین کے انگریزی سکھائی جائے یا جو انگریزی پڑھے ہوئے طلباء ہوں ان کو اپنے دار العلوم میں عربی پڑھائیں تاکہ جو نقصان ان میں ہوا ہے وہ بھی دفع ہو، اور غیر قوموں سے مناظرہ کرنے کی لیاقت بھی بہم پہونچے۔

صاحبو! یہ رائے میرے نزدیک بہت صائب معلوم ہوتی ہے مگر یہ مناسب ہے کہ حدیث، تفسیر اور فقہ کی کتابیں مثلاً راہ نجات، در مختار، تفسیر حسینی انگریزی میں کر دیں اور اس کے ترجمے کو زمرۂ علماء سے تصحیح کرا کے ان کو پڑھائیں تاکہ انگریزی کے ساتھ مسائل سے بھی آگاہی رہے۔

خلاصۂ تقریر مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی

لکھنؤ میں فائدہ ہے: صاحبو! اس وقت مولانا عبد الحق صاحب نے دہلی کے جو فضائل بیان کئے ہیں ان کا میں منکر نہیں ہوں، درحقیقت دہلی فیض کا سرچشمہ ہے اور بزرگان اولیائے کرام کے فیوض ظاہری و باطنی کا سب سے زیادہ میں معترف ہوں مگر بات یہ ہے کہ دار العلوم کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ وہاں نہیں ہیں، دار العلوم ایسے مقام پر ہونا چاہیئے جہاں کے لوگوں کو علم و فضل سے دلچسپی ہو، اور وہاں کی آب و ہوا اچھی ہو، حفظ صحت کا لحاظ بہت ضروری ہے اور دہلی کی آب و ہوا اچھی نہیں ہے اس لئے لکھنؤ میں دار العلوم قائم ہونا چاہیئے، لکھنؤ میں قائم ہونے سے ایک فائدہ عظیم یہ ہوگا کہ اس کے نواح میں رؤساء کثرت سے ہیں وہ اس میں بہت مدد دیں گے۔

جواباً مولانا عبد الحق صاحب حقانی دہلوی نے فرمایا:۔

"جو کچھ مولانا سلیمان صاحب بیان کیا ہے اس کا باعث یہ ہے کہ آپ کو اصل حال سے واقفیت نہیں سرکاری رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنؤ کے اعتبار سے دہلی کی آب و ہوا کہیں اچھی ہے جس قدر امراض عامہ و بائیہ سے موتیں لکھنؤ میں ہوتی ہیں دہلی میں نہیں، اسکے علاوہ چند باتیں دہلی کو وہ حاصل ہیں جو لکھنؤ کو نہیں جن کو میں بیان کر چکا ہوں بالفعل ایک مژدہ سناتا ہوں۔ دہلی میں نواب غازی الدین حیدر کے مدرسے کی عمارت تقریباً آٹھ لاکھ روپیے

(بقیہ صفحہ ۲۲ پر)

تاریخ کے دریچے سے

رعیت پروری: ایک بار سلطان التمش قاضی حمید الدین کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا شمس الدین! تم فقیروں، غریبوں، مسکینوں اور درویشوں کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ، خلق اللہ سے اچھا برتاؤ رکھو، رعیت پروری کرو، جو اپنی رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے، اور لوگوں سے اچھا برتاؤ رکھتا ہے، خداوند تعالیٰ اس کو دنیا میں دیر تک رکھتا ہے اور اس کے دشمنوں کو رفع کرتا ہے سلطان نے ان نصیحتوں کو سن کر ان پر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔ (سبع سنابل ص ۲۳۲)

بہادری: سلاطین دہلی کا معمول تھا کہ جب وہ شکار کو جاتے تھے، تو کل بیگمات اور کنیزیں بھی ساتھ ہوتی تھیں، ایک بار سلطان التمش بھی شیر کے شکار کو گیا، بیگمات پیچھے تھیں، یکایک ایک شیر نکل کر سلطان پر جھپٹا التمش کی لڑکی رضیہ (المتوفی ۶۳۴ھ) نے باپ کو خطرہ میں دیکھا تو شیر دل بیٹی نے جھپٹ کر شیر پر تلوار کے ایسے تو بر تو وار کئے کہ وہ نیم جان ہو کر گر پڑا۔

(خواتین اسلام کی بہادری، از علامہ سید سلیمان ندوی)

قوت حافظہ: سلطان التمش کے عہد کا ایک ممتاز شاعر ابو نصر ناصری تھا، جو (خراسان) کا رہنے والا تھا، مشہور صوفی شاعر شیخ ابو سعید ابو الخیر کے خاندان سے تھا، اپنے وطن سے دہلی آیا تو پہلے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کے آستانہ پر حاضر ہوا، ان کی دعائیں لیں، ان کی برکتیں لے کر قسمت آزمائی کے لیے سلطان التمش کے دربار میں پہنچا، اس کی مدح میں ایک قصیدہ پیش کیا، جب قصیدہ پڑھنے کی اجازت ملی تو ابھی اس نے مطلع ہی پڑھا تھا کہ سلطان دوسری طرف متوجہ ہو گیا ناصری بددل ہوا، لیکن سلطان نے فوراً متوجہ ہو کر کہا: "ناصری پڑھو، اور اس کا مطلع دہرایا"۔ ناصری کو سلطان کے حافظہ پر تعجب ہوا، اور پھر اس نے قصیدے کے اور اشعار پڑھنے شروع کئے۔ اور جب وہ پڑھ چکا تو سلطان نے قصیدہ کو دوبارہ پڑھنے کو کہا، جب اس نے ختم کیا تو سلطان نے پوچھا اس میں کتنے اشعار ہیں، ناصری نے کہا ترپن ۵۳، سلطان نے اسی وقت حکم دیا کہ اس کو ترپن ۵۳ ہزار چاندی کے تنکے انعام میں دیے جائیں، ناصری اس غیر متوقع انعام سے بہت خوش ہوا، وہ یہ رقم لے کر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رح کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی خدمت گذرانی لیکن قطب صاحب نے لینے سے انکار کیا، اور کہا کہ اس سے تم اپنی ضروریات پوری کرتے رہو۔

دشمن درویش: ایک بار سلطان التمش نے اپنے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کے پاس اپنے حاجب کے ذریعہ بہت سے سونے چاندی کے تنکے بھیجے، قطب صاحب نے ان کو دیکھا تو حاجب سے کہا کہ سلطان کو لے جا کر واپس کر دو اور کہنا کہ میں ان کو اپنا دوست سمجھتا تھا، لیکن وہ دشمن نکلے، یہ مال و دولت خدا کے دوستوں کے بجائے اس کے دشمنوں کو دو۔

فاش راز پر دکھ: حضرت قطب الدین بختیار کاکی رح کے ایک صاحبزادہ اپنے ایک ساتھی سے بیان کیا کہ ان کے یہاں تین روز سے فاقہ ہے، اس نے اپنے باپ سے کہا، تو وہ قطب صاحب رح کے یہاں کھانا لے کر آیا، اور اس نے کہا کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ کے یہاں تین روز سے فاقہ ہے، یہ سن کر قطب صاحب نے فرمایا کہ کس کی گردن کا مہرہ ٹوٹا جس نے میرے فاقہ کو فاش کیا، یہ کہنا تھا کہ قطب صاحب کے صاحبزادہ کی گردن کا مہرہ ٹوٹا اور وہ زمین پر گرے اور تڑپ کر رہ گئے، ان کو دفن کر کے لوگ واپس آئے تو ماں کی گریہ و زاری قطب صاحب رح کے کان میں پڑی، پوچھا تو فرمایا کہ مجھ کو کیوں خبر نہ کی، اللہ تعالیٰ سے اس کی زندگی کے طلب گار ہوتا۔

خیال ہے کہ قطب صاحب کے صاحبزادے کا ساتھی سلطان التمش کا کوئی لڑکا تھا، اور التمش خود کھانا لے کر آیا تھا۔

سلطانی میں درویشی: حضرت قطب الدین بختیار کاکی رح نے اپنے وصال سے پہلے وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے، جو ہمیشہ عفیف رہا ہو، عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں اور ہمیشہ نماز باجماعت میں تکبیر اولیٰ سے شریک رہا ہو، نماز جنازہ کے وقت جب اس وصیت کا اعلان کیا گیا تو التمش نے بھی اس کو سنا، اور سن کر تھوڑی دیر خاموش رہا، کہ کسی بزرگ کو یہ سعادت حاصل ہو، لیکن جب کسی نے امامت کے لئے سبقت نہیں کی تو وہ یہ کہتا ہوا آگے بڑھا کہ میری خواہش تو یہی تھی کہ میرے حال سے کسی کو واقفیت نہ ہو، لیکن خواجہ کے حکم کے آگے کوئی چارہ نہیں، پھر جنازہ کی نماز پڑھائی، اور ایک طرف تو اپنے کاندھے پر جنازہ اٹھایا اور بقیہ تین طرف اولیاء اللہ اپنے اپنے کاندھوں پر قطب صاحب رح کے جسد مبارک کو مدفن تک لے گئے۔

بادشاہت میں درویشانہ زندگی: سلطان التمش کا لڑکا ناصر الدین محمود تخت پر بیٹھا تو اس کی زندگی بڑی درویشانہ رہی، وہ اپنے ذاتی اخراجات کا بار شاہی خزانہ پر نہیں ڈالتا تھا، اچھے قسم کا خطاط تھا، اس لئے کلام پاک کی کتابت کرتا، ایک بار ایک امیر نے اس خیال سے کہ سلطانِ وقت کے ہاتھ کا لکھا ہوا مصحف ہے، اس کی قیمت معمول سے کچھ زیادہ دی۔ سلطان کو یہ معلوم ہوا تو اس کو یہ ناگوار گذرا اور آئندہ وہ خفیہ طور پر اپنا لکھا ہوا مصحف بازار بھیجتا تاکہ اس کو وہی ہدیہ ملے، جو عام طور سے بازار میں دیا جاتا ہے۔

بادشاہت میں عسرت: سلطان ناصر الدین محمود اپنے تمام ذاتی اخراجات کلام پاک کی کتابت سے پورے کیا کرتا تھا، اس لئے اس کی زندگی عسرت اور تنگی میں گذرتی تھی، اس کے محل میں کوئی خادمہ نہ تھی، ایک روز اس کی ملکہ نے اس سے شکایتاً کہا کہ میں آپ کے لئے روٹی پکاتی ہوں تو میرے دونوں ہاتھ جل جاتے ہیں اور ان میں آبلے پڑ جاتے ہیں، سلطان یہ سن کر رونے لگا، پھر اس نے یہ کہا کہ دنیا گذر جانے والی ہے، یہاں اس تکلیف کو برداشت کر کے صبر کرو، قیامت میں خداوند تعالیٰ اس کے اجر میں تم کو تمہاری خدمت کے لئے ایک حور دے گا، ابھی تو میں بیت المال سے تمہارے لئے کوئی کنیز نہیں خرید سکتا، سلطان کی بیوی نے یہ سنکر درویش سلطان سے اتفاق کیا۔

رسول اللہ ﷺ کے اسم مبارک کا احترام: سلطان محمود پر اپنے تقویٰ اور کسر نفسی کی وجہ سے حُبِ رسول کا بڑا غلبہ رہا، وہ اپنی زبان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک لانے میں حد درجہ احترام کرتا، اس کے ایک ندیم خاص کا نام محمدؐ تھا وہ اس کو ہمیشہ اسی نام سے پکارا کرتا تھا ایک روز اس نے اس کو تاج الدین کہہ کر پکارا، وہ آیا اور شاہی حکم کی تعمیل کر کے گھر گیا تو تین دن تک سلطان کی خدمت میں حاضر نہ ہوا، سلطان نے اس کو گھر سے بلا بھیجا، اور اس سے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا، تو اس نے عرض کیا کہ خداوند مجھے ہمیشہ محمدؐ کے نام سے پکارا کرتے تھے، اس روز خلاف عادت مجھے تاج الدین کے نام سے پکارا گیا، تو میں سمجھا کہ مجھ سے کوئی بدگمانی پیدا ہو گئی ہے، اس لئے میں نے اپنی صورت نہیں دکھائی اور یہ تین روز میں نے بڑی بے چینی اور بیقراری سے گذارے، سلطان نے اس کو یہ کہہ کر اطمینان دلایا کہ میں تم سے بدگمان نہیں ہوں، لیکن جب میں نے تم کو تاج الدین کہہ کر پکارا تھا، اُس وقت میں باوضو نہ تھا، مجھے شرم آئی کہ محمدؐ کا نام بے وضو لوں۔

کراہت: ایک بار حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے طی کا روزہ رکھا تین دن تک کچھ نہ کھایا، تیسرے دن افطار کے وقت ایک شخص چند روٹیاں لے کر حاضر ہوا، اس کو رزق غیب سمجھ کر کھا لیا، مگر فوراً ہی کراہت محسوس کی، اور اسی وقت قے کر دی، معلوم ہوا کہ جو شخص کھانا دے گیا وہ شرابی تھا۔!!

زکوٰۃ کے بنیادی مصالح

بہت سے ساھر اہل علم اور اہل فکر جو جدید معاشی فلسفوں اور علم الاقتصاد کی غیر معمولی اہمیت اور ہمہ گیری سے کم و بیش متاثر اور ذہنی طور پر مرعوب ہیں سادہ زور زکوٰۃ کے اقتصادی اور اجتماعی مصالح و منافع پر دیتے ہیں اور اس کو صرف ایک عادلانہ ٹیکس قرار دیتے ہیں یا زیادہ محتاط الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی تحریروں کو پڑھنے والا کم از کم ایسا محسوس کرتا ہے کہ ان کی رائے زکوٰۃ کے بارہ میں یہ ہے کہ دنیا کے معاشی نظاموں نے اب تک جتنے ٹیکس سوسائٹی پر عائد کئے ہیں، یہ اسلامی ٹیکس ان سب سے زیادہ منصفانہ، حکیمانہ اور متوازن ہے اس لحاظ سے وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ زکوٰۃ اس اشتراکیت (سوشلزم) کی نہایت مستحکم بنیاد ثابت ہو سکتی ہے جسے اسلام نے اپنی ترقی و عروج کے بہترین زمانہ میں دنیا کے سامنے پیش کیا وہ (چند مستثنیات کو چھوڑ کر) زکوٰۃ کی اس حقیقی روح کو فراموش کر دیتے ہیں جو اس کے پورے نظام میں جاری و ساری ہے، یہ روح ہے عبادت اور تقرب الی اللہ کی، اس طرح وہ اسکے بنیادی مقصد اور اصل مصلحت و حکمت کو نظر انداز کر دیتے ہیں، یعنی نفس کو بخل، خود غرضی، انانیت، فقراء کی حق تلفی اور قلب کی قساوت سے پاک و صاف کرنا، اللہ تعالیٰ کی قبولیت و رضا حاصل کرنا اور فقراء و ضعفاء کی دلداری اور ہمدردی کے نتیجہ میں مال میں پاکی اور نورانیت اور خیر و برکت کا ظہور۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت اہتمام و تاکید کے ساتھ اس بنیادی مصلحت اور حقیقی فائدہ کا ذکر کیا ہے اور سب سے زیادہ زور اسی مرکزی نقطہ پر دیا ہے،

"خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا۔

(آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے اسکے ذریعہ سے آپ انہیں پاک و صاف کر دیں گے)

زکوٰۃ اور سود کا موازنہ کرتے ہوئے ارشاد ہے۔

"وما آتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ ج وما آتیتم من زکوۃ تریدون وجہ اللہ فاولٰئک ھم المضعفون"

(اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے سو وہ اللہ کے آگے نہیں بڑھتی اور جو تم صدقہ دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے لوگ عنقریب بڑھاتے رہیں گے)

ابوداؤد میں ہے حضرت ابن عباس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "نہیں فرض کی اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ مگر اس لئے کہ اس کے ذریعہ تمہارا بقیہ مال و دولت پاک ہو جائے"

اس اساسی مصلحت کے بعد جماعت اور معاشرہ کی مصلحت آتی ہے جس میں معاشرہ کی خود کفالتی غرباء کی اہم ضرورتوں کی تکمیل، سوسائٹی کے ہر ممبر کے لئے باعزت اور شریفانہ زندگی کے مواقع کی فراہمی، تاکہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کر سکے، اور مقصد حقیقی اور کمال اصلی تک پہونچ سکے،

وہ علماء جنہوں نے کتاب و سنت اور دوسرے علوم اسلامیہ کا براہ راست اور گہرا مطالعہ کیا تھا اور اپنے کو خارجی اثرات سے محفوظ رکھا تھا اور جو صرف وارث نبوت سے واقف تھے اور گویا وہیں کے تعلیم یافتہ تھے، اور جنہوں نے اسلام کے فہم صحیح کے لئے صحیح راستہ منتخب کیا تھا وہ ان مصالح میں ترتیب اور فرق مراتب ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے اور ہر چیز کو وہی حیثیت دیتے تھے جو کتاب و سنت نے مقرر کر دی ہے، سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اس بات کو صحابہ کرام نے سمجھا پھر ان کے جانشین اس فہم صحیح کو میراث نبوت کی حفاظت کے ساتھ اپنی آئندہ نسلوں تک منتقل کرتے رہے، ہم اس سلسلہ میں اسلام کے بعض ممتاز ترین علماء اور ان کے اقتباسات پیش کرتے ہیں تاکہ ہمیں اس طرز فکر کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب زکوٰۃ کے بنیادی مصالح اور اس کے احکام کے اسرار اور حکمتوں کا ذکر کرتے ہوئے "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھتے ہیں۔

"جاننا چاہئے کہ زکوٰۃ میں سب سے اہم مصالح دو ہیں، پہلی مصلحت تہذیب نفس ہے اسلئے کہ نفس اور حرص و بخل کا چولی دامن کا ساتھ ہے، حرص بد ترین اخلاق میں سے ہے، جو معاد میں انسان کو سخت ہلاکت میں ڈال سکتی ہے، جو حریص ہوگا مرتے وقت بھی اس کا دل مال میں اٹکا رہیگا اور اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، اگر زکوٰۃ کی مشق اس کو ہوگی تو یہ حرص اس سے ختم ہو چکی ہوگی، جو بالآخر اس کو نفع پہونچائیگی، انابت اور رجوع الی اللہ کے بعد معاد میں سب سے اعلیٰ اخلاق سخاوت نفس ہے، جس طرح رجوع الی اللہ، انابت و عبودیت، دعا و تضرع سے عالم جبروت سے مناسبت اور قرب پیدا ہوتا ہے، اسی طرح سخاوت خسیس اور پست دنیاوی صورتوں اور شکلوں کو توڑتی ہے، اس لئے کہ وہ ہیمیت کی ضد ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ ملکوتی (فرشتوں والی صفات) غالب ہوں اور ہیمانہ صفات ان سے دب جائیں، بلکہ ان کے رنگ میں رنگ جائیں اور ان پر بھی اس حکم کا اطلاق ہونے لگے جو ملکوتی صفات پر ہوتا ہے، اس کا راستہ یہی ہے کہ مال کو باوجود ضرورت و احتیاج کے راہ خدا میں خرچ کیا جائے، ظالم کو معاف کیا جائے، مصائب پر صبر کیا جائے اور دنیاوی تکالیف و مشکلات، آخرت کے یقین کی وجہ سے آسان و خوشگوار ہو جائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب چیزوں کا حکم دیا ہے اور ان کے حدود و مقرر فرمائے ہیں، ان میں مال کا خرچ کرنا بھی ہے جو بہت سے حدود و قیود کے ساتھ وابستہ ہے اور اسکی اہمیت اتنی ہے کہ ایمان اور نماز کے ساتھ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ اہل نار کے بارہ میں فرماتا ہے،

قالوا لم نک من المصلین ۝ ولم نک نطعم المسکین ۝ وکنا نخوض مع الخائضین ۝

(وہ کہیں گے ہم تو نہ نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ ہم غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں پڑے رہتے تھے)

دوسری مصلحت کا تعلق شہر سے ہے اس لئے کہ ضعفاء و اہل حاجت جمع ہوں گے، اگر انکی ہمدردی و اعانت کی یہ سنت نہ ہو تو وہ سب بھوک سے ہلاک ہو جائیں اس کے علاوہ شہروں کا نظام مال پر قائم ہوتا ہے اور ان شہروں کی حفاظت کے ذمہ دار اور وہاں کے مدبرین و منظمین اپنی ان مشغولیات اور ذمہ داریوں کی وجہ سے کوئی باقاعدہ ذریعہ معاش اختیار نہیں کر سکتے، ان کی معیشت کا انحصار بھی اسی پر ہوتا ہے، مشترکہ اخراجات یا چندے سب کے لئے آسان ہیں نہ ممکن، اس لئے رعیت سے ان مصالح کے لئے مقررہ رقم وصول کرنا مناسب دستور ہے،

اور چونکہ مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ یہ دو مصالح باہم لازم و ملزوم رہیں، اس لئے شرع نے بھی اس کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ رکھا ہے۔

علامہ بحر العلوم فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ ٹیکس نہیں، بلکہ دوسری عبادتوں کی طرح خالص اللہ کی عبادت ہے وہ کہتے ہیں کہ:۔

"ادائیگی زکوٰۃ کے وقت نیت کی درستی بہت ضروری ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ بہت بڑی عبادت ہے، جس طرح نماز کا مقصد سوائے حصول ثواب کے کچھ نہیں، چنانچہ نیت اس کے لئے فرض ہے، اگر بلا نیت کے ادا کرے گا تو جس طرح نماز بلا نیت کے نہیں ہوتی، زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوگی، البتہ نماز بلا نیت کے باطل ہو جاتی ہے، بخلاف زکوٰۃ کے جو بلا نیت کے ہدیہ ہو جاتی ہے، چنانچہ ہدیہ کا ثواب اس کو ضرور حاصل ہوگا اس لئے کہ اللہ تو نیکوکار کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔"

زکوٰۃ کی نمایاں خصوصیات:

زکوٰۃ کی بہت سی ایسی نمایاں خصوصیات ہیں جو انسان کے خود ساختہ قوانین اور حکومت کے عائد کردہ ٹیکسوں سے بہت مختلف ہیں، ان مابہ الامتیاز خصوصیات نے زکوٰۃ کو ایک خاص رنگ اور مزاج بخشا ہے، اسی کو دینی تقدس اور پاکیزگی عطا کی ہے اور اس کے اندر زندگی و اخلاق پر اثر انداز ہونے اور خدا و بندہ کے تعلق کو استوار اور مستحکم کرنے کی ایسی قوت و صلاحیت پیدا کر دی ہے جو کسی دوسرے دنیاوی ٹیکس میں (خواہ اس میں انصاف اور اعانت کو زیادہ سے زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہو) نہیں ہے اور نہ ممکن ہے۔

تبشیر و انذار:

ان خصوصیات میں سب سے نمایاں، بنیادی اور موثر چیز ایمان و احتساب کی وہ روح ہے جو اس فریضہ میں جان ڈالتی ہے، اس روح یا اسپرٹ سے ہر ٹیکس سرکاری قوانین اور معاشی ضابطہ بندیاں قدرتی طور پر بالکل محروم ہیں، بلکہ اس کے برعکس ان میں ناراضگی، گرانی اور بددلی کا عنصر بہت نمایاں ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹیکس دینے والا یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ یہ ٹیکس اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے اور اس پر ... اجر و ثواب ملے گا، بلکہ وہ جانتا ہے کہ یہ ٹیکس لگانے والے خود اس جیسے انسان ہیں اور شاید اس سے بھی پست تر ہیں اور اس ٹیکس سے ہونے والی آمدنی زیادہ تر تعیشات، اپنے اقتدار کو محفوظ رکھنے یا چند اشخاص اور مخصوص پارٹیوں کے مفاد پر خرچ ہوتی ہے، اسکے علاوہ ان ٹیکسوں کے ساتھ دینی ترغیب و ترہیب کی کوئی قوت نہیں ہوتی، بلکہ اس کے بجائے جرمانے، دھمکیاں، سزائیں اور خشک و سخت قوانین ہوتے ہیں جن سے عوامی ناراضگی اور بے اطمینانی و بے چینی میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

ان حکمتوں کی وجہ سے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ قرآن و حدیث اور نبوی تعلیمات میں زکوٰۃ کا ذکر ہمیشہ فضائل، دنیا و آخرت میں اس کے نتائج و ثمرات، اجر و ثواب، مال و دولت میں برکت، یا زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کو عذاب الیم کی وعید اور بے برکتی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

خط و کتابت کے وقت حوالہ
خریداری نمبر
ضرور لکھیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دار العلوم ندوۃ العلماء
خدمات اور ضروریات

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

دار العلوم ندوۃ العلماء محتاج تعارف نہیں ہے۔ اس کے قیام کو ۹۰ برس ہو گئے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ اس اثناء میں اس نے گرانقدر علمی اور دینی خدمات انجام دی ہیں، تصنیف و تالیف، درس و تدریس، پند و مواعظ غرض ہر شعبہ میں اس کے فرزندوں اور سرپرستوں نے قابل قدر کام کئے ہیں، خوش قسمتی سے تقریباً بیس برس سے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کی اس کو توجہ اور سرپرستی حاصل ہے، جن کے دور نظامت میں اسکی شہرت دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہونچ چکی ہے اور بجا طور پر آج وہ ایک عظیم اسلامی مرکز بن گیا ہے نیز اس نے ایک بین الاقوامی دینی درسگاہ کی حیثیت اختیار کر لی ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ندوہ کو دینی روح اور دعوتی جذبہ سے بھی نوازا ہے، سالہا سال سے اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور دینی زندگی کے فروغ کے لئے اس کے طلبہ، اساتذہ اور کارکنان بڑی سرگرمی سے کوشاں ہیں، تبلیغ و دعوت کی جانب خاص طور سے متوجہ ہیں (طلبہ اپنے تعلیمی مشاغل اور علمی و ثقافتی سرگرمیوں کیساتھ ساتھ جو ندوۃ العلماء کا ہمیشہ سے طرہ امتیاز رہا ہے، دینی زندگی میں بھی ممتاز ہیں) جناب ناظم صاحب ندوۃ العلماء کی فکری رہنمائی اور عملی نگرانی میں وہ علم دین کے مراحل بڑی خوبی و خوش اسلوبی سے طے کر رہے ہیں، ان علمی و روحانی مشاغل میں انہماک کے ساتھ طلبہ کی صحت و ورزش، خورد و نوش وغیرہ کی جانب بھی خصوصی توجہ کیجا رہی ہے۔

اس وقت دار العلوم ندوۃ العلماء میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ ملیشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، جنوبی افریقہ، ترینداد، یوگنڈا اور دوسرے ممالک کے طلبہ بھی زیر تعلیم ہیں، مختلف ملکوں سے برابر داخلے کی درخواستیں آتی رہتی ہیں، اللہ کے فضل سے عرب ممالک میں ندوہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اندرون و بیرون ملک کے مسلمانوں کی توجہ اس کی تعلیم و تربیت سے استفادہ کی خواہش روز افزوں ہے۔ ان اسباب کی بناء پر داخلوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے مزید نئی اقامت گاہوں کی بیحد ضرورت ہے اس کے علاوہ دار العلوم کے مختلف شعبوں مثلاً دفاتر، دار الحفظ، لائبریری وغیرہ کے لئے علیحدہ مستقل عمارتیں درکار ہیں، انہی ضروریات کو سامنے رکھ کر مدرسہ ثانویہ کی نئی عمارت (جس کا نام اب معہد دار العلوم ہے) کی تکمیل تیزی کیساتھ ہو رہی ہے اس کا تعمیری کام اختتام کے قریب ہے، اسی کے ساتھ اللہ کا نام لے کر طلبہ کی نئی اقامت گاہ "رواق اطہر" کا سنگ بنیاد ۲۱ مئی ۱۹۸۶ء کو رکھ دیا گیا اور اب الحمد للہ کہ اس کی تیسری منزل زیر تعمیر ہے۔

"معہد دار العلوم" میں جس کو ایک معیاری مدرسہ ثانویہ بنایا جا رہا ہے باوجود وسعت کے گنجائش ختم ہو چکی ہے اور امسال کثیر تعداد میں طلبہ کو واپس کیا گیا ہے اسی طرح دار العلوم میں بھی بہت سے داخلے محض انہی مجبوریوں کی بناء پر نہیں کئے جا سکے۔ یہ صورت حال ذمہ داران دار العلوم کے لئے باعث فکر ہے اور محض جگہ کی تنگی کی وجہ سے شائقین علم دین کو واپس کرنا نیز مقیم طلبہ کی بڑھتی ہوئی دشواریاں اور ضرورتیں ان کی فکر و بے چینی میں مزید اضافہ کا باعث ہیں، علاوہ ازیں عمارتوں اور ضروری تعلیمی سامان کی کمی کی وجہ سے بہت سے مفید علمی اور دینی منصوبے پوری توجہ اور یکسوئی کے محتاج رہتے ہیں۔ ہماری خواہش اور درخواست ہے کہ آپ میں سے جن حضرات کو اللہ تعالیٰ توفیق دیں اور سہولت ہو وہ اپنی تشریف آوری سے حسب موقع ہمیں سرفراز فرمائیں خود آکر ان نونہالان چمن کو دیکھیں، ان کی ضروریات کو سمجھیں، فی الوقت جو کام شروع کئے جا چکے ہیں یا مستقبل قریب میں فوری توجہ کے مستحق ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

رواق اطہر

طلبہ کی یہ اقامت گاہ (ہوسٹل) زیر تعمیر ہے۔ یہ عمارت انشاء اللہ سہ منزلہ ہوگی ہر منزل میں بیس کمرے ہوں گے اور ہر کمرے میں چار سیٹیں ہوں گی اس طرح پوری عمارت ساٹھ کمروں پر مشتمل ہوگی اور دو سو چالیس طلبہ اسمیں قیام کر سکیں گے اس عمارت میں دو بڑے ہال بھی ہوں گے جو طلبہ اور دار الاقامہ کی علمی و ثقافتی ضروریات میں کام آسکیں گے۔

معہد دار العلوم

معہد دار العلوم (یا مدرسہ ثانویہ) یہ عمارت فی الوقت دو منزلہ ہے اسمیں ۴۲ کمرے اور دو ہال ہیں۔ اس عمارت کے دونوں ہال فی الوقت چھوٹے بچوں کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہو رہے ہیں، اس عمارت کے دونوں بازؤں کو سائیکل اسٹینڈ اور وضو خانہ کا خوبصورت شیڈ ملا ہے۔ چھوٹے بچوں کی نماز باجماعت ایک ہال میں ہوتی ہے، اس عمارت کی تیسری منزل بھی تعمیر ہونا ہے۔

اسٹاف کوارٹرس

حضرات اساتذہ کرام کے لئے رہائشی مکانات کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے، فی الوقت چار مکانوں کی بنیاد ڈال دی گئی ہے اور تعمیری کام کا آغاز کر دیا گیا ہے، یہ مکانات دو منزلہ ہونگے